فارسی زبان وادب کے اعلام و مشاہیر

۱۔ اقبال اور غنی کاشمیری
۲۔ اقبال اور حافظ شیرازی
۳۔ اقبال اور حکیم سنائی
۴۔ اقبال اور شیخ سعدی شیرازی
۵۔ اقبال اور مولانا جلال الدین رومی
۶۔ اقبال اور مرزا عبدالقادر بیدل

علامہ اقبال اور غنی کاشمیری

جنت بے نظیر ارض کشمیر کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس سرزمین میں بہت سارے علماء، شعراء، مورخ اور ادیبوں کے علاوہ مختلف بلند قامت شخصیات نے جنم لیا۔ ان ہی بلند اور عظیم شخصیات میں فارسی زبان وادب کی ایک عظیم شخصیت غنی کاشمیری بھی شامل ہیں۔ غنی کاشمیری کا اصلی نام ملا محمد طاہر اور بعض کے مطابق شیخ محمد طاہر ہے۔ آپ کشمیر کے معروف خاندان اشائی سے تعلق رکھتے تھے اور غنی تخلص تھا۔ غنی کی تاریخ پیدائش صحیح معلوم نہیں۔ آپ سرینگر میں عالی کدل کے نزدیک پیدا ہوئے۔ بعض مورخین کے مطابق غنی کی پیدائش ۱۰۴۰ھ (۱) اور بعض کے مطابق ۱۰۲۰ھ (۲) میں ہوئی ہے۔ ڈاکٹر جی۔ ایل تکو نے اپنی کتاب "پارسی سرایان کشمیر" میں غنی کا سال ولادت ۱۶۳۰ء لکھا ہے جو ۱۰۴۰ھ کے مطابق ہے۔
دیوان غنی کے مقدمے میں علی جواد زیدی لکھتے ہیں :

"اتنا قطعی طور معلوم ہے کہ جب ۱۰۴۱ھ میں صائب کشمیر آئے تو غنی کی شاعری مسلم ہو چکی تھی یقیناً یہ غنی کی جوانی کا زمانہ رہا ہوگا۔" (۳)

دیوان غنی میں لکھا ہے :

" محمد طاہر غنی بزرگترین سخنرای کشمیر واز معاریف گویندگان پارسی زبان سرزمین پنہادر ہندوستان در قرن یازدهم هجری است۔ وی از شاعرانی است۔ کہ بہ سبک هندی سخن رانده اند و با اینکہ ہمروزگار گویندگانی چوں صائب تبریزی و حکیم کاشانی دو تن از نام آوران بوده (ابین سبک) خود درین شیوہ مقامی شایستہ یافتہ است، تابہ اینجا کہ صائب تبریزی در سفر هند بہ ستایش سخن او برخاستہ و بہ نگارش بخشی از اشعار وی در سفینۂ خود اہتمام

---

۱ مفتی محمد سعادت نے ۱۰۴۰ھ لکھا ہے۔

۲ محمد امین دارب نے ۱۰۲۰ھ لکھا جو درست نہیں ہے۔

۳ علی جواد زیدی مقدمہ دیوان غنی، ترتیب جدید محمد امین دارب کشمیری، جموں و کشمیر کلچرل اکیڈمی سرینگر ـــــ ص ۴۰

جستہ است۔ وفات غنی بہ سال ۱۰۷۹ ھ قمری روای دادہ است (۱)

فارسی شعراء میں غنی مزاجاً درویش تھے۔ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے اور ان کے کلام میں مختلف موضوعات ملتے ہیں۔ ان کے دیوان میں غزلیات کے علاوہ قصائد اور رباعیات، نعت وغیرہ شامل ہیں۔ غنی شیخ محسن فانی کے شاگرد تھے۔ تحصیل علوم و فنون سے فارغ ہونے کے بعد ۱۰۶۰ ھ میں شاعری کی اور بہت جلد اپنے ہم عصروں میں امتیاز حاصل کرلیا۔ مرزا صائب بھی غنی کے قدردان تھے۔ صائب گیارہویں صدی کا ایک مشہور شاعر گزرا ہے۔ جب ۱۰۴۱ ھ میں ظفر احسن کو کشمیر کی صوبہ داری کے عہدے پر متعین کیا گیا تو صائب بھی اس کے ساتھ کشمیر کی سیر و سیاحت کے لئے آیا۔ صائب جب ہندوستان آیا تو وہ غنی کی شہرت سن چکا تھا یہاں پہنچکر انہوں نے غنی سے ملاقات کی۔

"اکثر تذکرہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ غنی کے" حسن سبزی بخط مرا۔ (الخ)"
والے شعر کو انہوں نے بے حد پسند کیا اور اپنی پسند کا اظہار انہوں نے ان لفظوں میں
کیا کہ غنی میرا کل دیوان لے لیں اور مجھے یہ شعر دیدیں۔" (۲)

صائب اور غنی نے ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کے علاوہ ایک دوسرے کو اپنا کلام بھی سنایا۔ صائب نے اپنے قیام میں کشمیر میں غنی سے مصاحبت اور مجالست کی اور اس کے کلام کا پورا پورا استحسان کیا۔ جس کا تمام تذکرہ نویسوں نے اعتراف کیا۔۔۔۔ اس کے علاوہ اس نے غنی کی بعض غزلوں پر غزلیں لکھی ہیں۔ جس کی تائید میں تذکرہ نویسوں نے یہ شعر پیش کیا ہے۔

این جواب آں غزل صائب کہ می گوید غنی
یاد آیا میکہ دیگ شوق ما سرپوش داشت۔ (۳)

---

۱ دیوان غنی بہ کوشش احمد کرمی پیش گفتار ص ۳۹۲
۲ دیوان غنی ترتیب جدید محمد امین دارب کشمیری (مقدمہ) علی جواد زیدی ص ۴۵
۳ پروفیسر محمد عبداللہ شیدا غنی کاشمیری مشمولہ مشاہیر نمبر ہمارا ادب ۷۷-۱۹۷۶ جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی سرینگر ص ۳۴۴

غنی اور صائب کی ملاقات سے ظاہر ہے کہ صائب کی آمد کے موقع پر غنی بیس پچیس سال کا ہو گا۔(۱)

غنی کی قابلیت کا اعتراف ایرانی شعراء اور نقادوں نے بھی کیا ہے۔ غنی کی ایک آنکھ ناقص تھی جس کا ذکر ان کے اشعار میں بھی کیا گیا ہے :

بسان اشک شمع از تیرہ بختی گریزان چشم من از روشنائی

از گریہ ام نہ ہمیں چشم تر سفید شداست

کز آب دیدہ مرا موی سر سفید شد است

بخلاف دیگر شعراء غنی خود دار اور قناعت پسند تھا وہ زندگی بھر کسی امیر کے دروازے پر نہیں گیا۔ غنی کاشمیری کا انتقال جوانی ہی میں ۱۶۶۸ء میں ہوا۔ مثالیہ مضمون نظم کرنا ان کی شاعری کی اہم خصوصیات ہیں۔ شبلی نے اس خصوصیت کو حکیم مرزا صائب اور غنی کاشمیری کی مشترکہ خصوصیت بتایا ہے۔(۲)

غنی کاشمیری کا انتقال ۱۰۷۹ھ میں ہوا۔ اور اپنے آبائی قبرستان سید صاحب راجوری کدل میں دفن ہوئے۔ ان کے شاگرد مسلم نے تاریخ وفات لکھی :

از قوت غنی گشت کہ ومہ غمگیں ہر کس شدہ در ماتم او خانہ نشیں

تاریخ وفاتش از بپر سند بگو پنہاں شدہ گنج ہنرے زیر زمیں ۱۰۷۹

محمد علی ماہر نے یہ مشہور قطعہ کہا :

چوں داد ش فیض صحبت شیخ کامل محسن فانی

غنی سر حلقہء اصحاب او در نکتہ دانی شد

تہی چوں کردم بزم شیخ را گفتند تاریخش

کہ آگاہے سوی دارالبقا از دار فانی شد (۳)

---

۱ پروفیسر محمد عبداللہ شیدا غنی کاشمیری مشمولہ مشاہیر نمبر ہمارا ادب ۷۷-۱۹۷۶ء جموں و کشمیر کلچرل اکیڈیمی ص ۲۴۴

۲ سید وقار عظیم معاصرین اقبال کی نظر میں ص ۳۷۴

۳ پروفیسر محمد عبداللہ شیدا غنی کشمیری مشمولہ مشاہیر نمبر ہمارا ادب ص ۲۵۶

غنی کا دیوان ان کی وفات کے بعد ایک سال ۱۰۸۰ھ میں ان کے شاگرد مسلم نے غنی کے دوسرے شاگرد ملک شہید کی مدد سے ترتیب دیا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ دیوان غنی کو محمد علی ماہر نے ترتیب دیا ہے اور کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ مسلم اور محمد علی ماہر دونوں نے غنی کا دیوان مرتب کیا ہے۔ غنی کے کلام میں زندگی کے مختلف پہلوؤں کی تصویر ملتی ہے۔ ان کی نظر میں بڑی گہرائی اور گیرائی ہے وہ حسن و عشق کے ناز و نیاز سے واقف ہیں اور معرف الہیٰ کے رموز و اسرار سے بھی وہ تزکیہ نفس کے علاوہ تہذیب و اخلاق کے داعی ہیں۔ ان کا کلام کردار اور معاشرے کی اصلاح کی تمنا سے پر ہے۔ "دائرۃ المعارف اقبال" میں ملک حسن اختر لکھتے ہیں :

"غنی فارسی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ کلام میں صفت ایہام کو بکثرت استعمال کیا ہے۔ سرینگر میں پیدا ہوئے۔ ساری عمر قناعت اور گوشہ نشینی میں بسر کی۔ ۱۶۶۸ء میں فوت ہوئے اقبال نے جنت میں ان سے ملاقات کی ہے۔ رومی ان کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں :

شاعر رنگین نوا طاہر غنی
فقر او باطن غنی ظاہر غنی
نغمۂ می خواند آں مست دام (۱)
در حضور سید و الامقام

علامہ اقبال نے غنی کاشمیری کا ذکر اپنے کلام میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ انہوں نے غنی کی شخصیت کو پسند فرمایا ہے۔ دونوں شعراء کو مسلم قوم سے ہمدردی تھی۔ دونوں شعراء ہم وطن تھے اور اپنے وطن کشمیر سے کافی ہمدردی رکھتے تھے۔ دونوں قوم کی بے بسی اور بے کسی پر مایوس تھے۔ دونوں کشمیر کے درد کو محسوس کرتے ہیں۔

ہم چو سوزن دایم از پوشش گریزانیم ما
جامہ بہر خلق می دوزیم و عریانیم ما

---

۱ ملک حسن اختر دائرۃ المعارف اقبال ص ۲۵۲

روزی ما میشود آخر نصیب دیگراں
طالع برگشتہ ہمچوں آسیاداریم ما ــــــ غنی

بریشم قبا خواجہ از محنت او　　　　نصیب تنش جامہء تار تارے ۔ ــــــ اقبال

غنی اور اقبال کے یہاں فکری تطابق اور توافق کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں جن کی وجہ سے غنی اقبال کے محبوب شاعروں میں شامل ہو گئے ہیں ۔ چنانچہ غنی کا یہی فقر ، گوشہ نشینی اور استغنا اقبال کی توجہ اس حکایت کی طرف پھیر دیتا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ غنی ایک معمولی کمرے میں سکونت کرتا تھا اور جب گھر سے نکل جاتا تھا تو کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیتا تھا ۔ لیکن جب گھر میں واپس آتا تھا تو دروازہ بند کر دیتا تھا ۔ جب غنی سے اس غیر عادی فعل کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے جواب دیا کہ دروازے کا بند کرنا مال و متاع کی حفاظت کے خیال سے ہے چونکہ اس گھر کا مال و متاع میرے اپنے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے ۔ اس لئے گھر سے نکلتے وقت دروازہ کھلا چھوڑ دیتا ہوں اور جب واپس آتا ہوں تو دروازہ بند کر دیتا ہوں تاکہ محفوظ رہوں ۔ یہ حکایت غنی کے استغناء کامل کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ اسلئے علامہ اقبال اس سے الہام حاصل کر کے اسے ایک قطعہ کی صورت میں پیش کرتے ہیں ۔(۱)

یہ قطعہ علامہ اقبال نے " پیام مشرق " میں غنی کاشمیری کے عنوان سے یوں پیش کیا ہے :

غنی آں سخن گوئے بلبل صفیر　　　　نوا سنج کشمیر مینو نظیر
چو اندر سرا بود در بستہ داشت　　　　چو رفت از سرا تختہ را وا گزاشت
یکے گفتش اے شاعر دل رسے　　　　عجب دارد از کار تو ہر کسی
بہ پاسخ چہ خوش گفت مرد فقیر　　　　فقیر و باقلیم معنی امیر
ز من آنچہ دید ند یاران رواست　　　　درین خانہ جز من متاعے کجاست
غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش　　　　متاعے گرانے است در خانہ اش

۱　　پروفیسر محمد عبداللہ شیدا　　　اقبال اور غنی کا ایک تقابلی مطالعہ　مشمولہ
چشمہ آخیال　　اقبال اکیڈمی سرینگر کشمیر

چو آں محفل امروز درخانہ نیست
تہی تر ازین ہیچ کاشانہ نیست (۱)

غنی اور اقبال دونوں کو دنیا کی بے ثباتی کا شدید احساس تھا۔ دونوں روح کے تقاضوں کو دینوی انہماک پر ترجیح دیتے ہیں۔ دونوں اپنے اپنے مخصوص انداز میں دنیا کی محدود زندگی کو بامعنی بنانے کی تلقین کرتے ہیں۔ اس سے گریز کی نہیں۔ دونوں کا خیال ایک ہے اگرچہ زبان و بیان جداگانہ بھی ہے۔

نے گل بچمن نہ بلبل است ایں　　　خاکستر و آتش گل است ایں (غنی)

فریب و نظر سکون و ثبات　　　تڑپتا ہے ہر ذرہء کائنات (اقبال)

علامہ اقبال نے "بانگ درا" میں "خطاب بہ جوانان اسلام" والی نظم میں غنی کاشمیری کے ایک شعر کو تضمین کیا ہے۔ یہاں علامہ اپنے قوم کے جوانوں سے خطاب کرتے ہوئے :

تجھے آبا سے اپنی کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارا (۲)

علامہ کو یہاں اپنی قیمتی میراث کے کھونے کا غم ہے۔ حکومت سے انہیں کوئی غرض نہیں انہیں غرض صرف اپنے علمی سرمایہ کا ہے جو اغیار کے قبضہ میں ہے۔

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھے
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھے ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا (۳)

اپنے اسلاف کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر جہاں دار و جہاں باں جہاں آرا

۱　علامہ اقبال　　کلیات اقبال فارسی حصہ پیام مشرق ــــ ص ۱۰۷

۲　محمد اقبال　　کلیات اقبال اردو　　ص ۱۸۰

۳　ایضاً

گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا (۱)

اس نظم کا اختتام غنی کاشمیری کے اس شعر پر کیا ہے :

غنی روز سیاہ پیر کنعان را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخارا (۲)

اے غنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی بد قسمتی کو دیکھو کہ خود بیٹے یعنی یوسف کے فراق میں رو رو کے اندھے ہو گئے ۔ لیکن ان کے نور چشم یعنی بیٹے نے زلیخا کی نظرون کے سامنے رہ کر اسکی آنکھوں کو روشن کردیا ۔ گویا حقدار تو محروم رہا اور اغیار فیضیاب ہوئے ۔

مذ کورہ نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں :

"غنی کے اشعار کا انعکاس اقبال کے ہاں بہت کم ہے مگر ان سے اظہار ارادت زیادہ۔ "بانگ درا" کی نظم "خطاب بہ جوانان اسلام" کا تتمہ غنی کی غزل کا مقطع ہے ۔"(۳)

محمد عبداللہ قریشی لکھتے ہیں :

" ملا طاہر غنی کاشمیری کی شخصیت سے وہ اس قدر متاثر تھے کہ ان کے استغناء کا ذکر کرنے کے علاوہ ان کے بعض اشعار پر تضمین بھی لکھیں ۔" (۴)

غنی کاشمیری کے تئیں علامہ کے عقیدت کا اظہار "جاوید نامہ" میں بھی ملتا ہے ۔ یہاں اقبال نے غنی کو ایک عظیم مبلغ اسلام حضرت میر سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۸۶ ء کے حضور میں جنت الفردوس میں نغمہ خواں دکھایا ہے ۔ "جاوید نامہ" کی ایک نظم "زیارت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی و ملا طاہر غنی کاشمیری" میں علامہ نے بد نصیب ملک کا ذکر بحوالہ میر سید علی ہمدانی و غنی کاشمیری کیا ہے ۔ یہاں غنی حوض کوثر پر نغمہ خواں ہیں اور یہاں کشمیری الاصل

---

۱ محمد اقبال کلیات اقبال اردو ص ۱۸۰
۲ ایضاً
۳ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال او فارسی شعراء ص ۲۴۵
۴ محمد عبداللہ قریشی اقبال اور کشمیر مجلہ لاہورا کتوبر ۱۹۵۶ء ص ۵۶

سیاست والوں کی تعریف کی ہے کہ وہ آزادی ہند کے کوشاں ہیں ۔

از تپ یاراں تپیدم در بہشت   کہنہ غمہا را خریدم در بہشت
قادراں گلشن صدائے دردمند   از کنار حوض کوثر شد بلند

"جمع کردم مشت خاشاکے کہ سوزم خویش را
گل گماں دارد کہ بندم آشیاں در گلستاں"

گفت رومی ! آنچہ می آید نگر   دل مدہ با آنچہ بگزشت اے پسر
شاعر رنگین نوا طاہر غنی   فقر او باطن غنی ظاہر غنی
نغمہ ء می خواند آں مست دام   در حضور سید و الا مقام
سید السادات سالار عجم   دست او معمار تقدیر امم

مذکورہ نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض لکھتے ہیں :

"جاوید نامہ (آنسوے افلاک میں) غنی کا ایک شعر تضمین شدہ ملتا ہے ۔یہاں اقبال نے غنی کو عظیم مبلغ اسلام حضرت میر سید علی ہمدانی شاہ ہمدان (م ۷۸۶) کے حضور جنت الفردوس میں نغمہ خواں دکھایا ہے اور ساتھ ساتھ وادی جموں و کشمیر کے انگریزوں کے ہاتھوں ڈوگرہ گلاب سنگھ کو فروخت کئے جانے (نام نہاد معاہدہ امرتسر ۱۸۴۶)اور وادی کی خراب سیاسی حالت پر نالہ کنعاں بھی ۔"(۱)

کشمیر کی سیاسی حالت کا ذکر کرنے کے ساتھ ساتھ کشمیری قوم کی غربت اور ظلم کا بھی تذکرہ کیا ہے اور آزادی ء کشمیر ' انگریزوں کا ظلم سب چیزوں کا پورا نقشہ کھینچا ہے ان ہی حالات کا تذکرہ علامہ نے اور ایک جگہ بھی کیا ہے :

توڑ دے اس دست جفا کش کو یارب جس نے
روح آزادی کشمیر کو پامال کیا
سرما کی ہواؤں میں ہے عریاں بدن اس کا
دیتا ہے ہنر جس کا امیروں کو دوشالے

علامہ غنی کاشمیری کی زبانی اہل کشمیر کی پستی کا راز جاننا چاہتا ہے ۔شاعر یہاں کشمیر کی

---

۱   ڈاکٹر محمد ریاض   اقبال اور فارسی شعراء   ص ۲۴۷

گزشتہ عظمت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ایسی دانشمند قوم جسکی ہنرمندی کا اعتراف تمام دنیا نے کیا ہے جسکے شال دوشالے تمام دنیا میں مشہور ہیں افلاس کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ غلامی کی زندگی کی وجہ سے جذبات مردہ ہوچکے ہیں مگر کسی زمانے میں یہ قوم حوصلہ منداور بہادر رہ چکی ہے۔

در زمانے صف شکن ہم بودہ است
چیرہ و جاں باز پردم بودہ است

علامہ نے نظم میں وادی کشمیر کا نقشہ کھینچا ہے اور اس وادی میں ایک پرندہ (غنی) یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اگرچہ باغ (کشمیر) میں بہار کی فضا پرانی ہی ہے مگر اس باغ (کشمیر) میں کوئی شہاب الدین پیدا نہ ہوسکا۔

عمر ہا گل رفت بر بست و کشاد
خاک ما دیگر شہاب الدین[1] نژاد

---

1 سلطان شہاب الدین کا اصلی نام مرزا مشیر شامک تھا۔ شہاب الدین سلطان شمس الدین کا تیسرا بیٹا تھا۔ اپنے بھائی علاو الدین کی وفات کے بعد ۷۵۵ھ بمطابق ۱۳۵۴ء میں تخت نشین ہوا۔ یہ نہایت شجاع اور حوصلہ مند تھا۔ اس کی سطوت کا یہ عالم تھا کہ غزنوی، قندہار کے حکمران اس سے خائف تھے۔ یہ کشمیر کے عظیم بادشاہوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس کے دور میں کشمیر کی سلطنت اپنے انتہائی عروج کو پہنچی۔ کشمیر کے علاوہ لداخ، گلگت، کافرستان، چھوٹا تبت بلتستان، کاشغر، پشاور، سندھ اور پنجاب سب صوبے اس کے زیر نگین آگئے۔ عورتوں سے اسکی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ہر وقت فوج کشی اور تعمیر و ترقی میں مصروف رہے۔ اسی محبوبہ ملکہ رانی لکشمن بائی تھی۔ جسکے نام پر اس نے ہری پربت کے دامن میں لکشمی نگر آباد کیا۔ اس کی وفات سے ایک سال پہلے شاہ ہمدان کشمیر آئے۔ چونکہ وہ دیندار اور درویش دوست تھے اس نے شاہ صاحب کو بڑے احترام کے ساتھ اپنا مہمان بنایا۔ شہاب الدین نے ۷۷۵ھ میں وفات پائی وہ فاتح اعظم سلطانوں میں شمار ہوتے ہیں جس روز ان کو اطراف زمین میں سے کسی نئے ملک کو فتح کرنے کی خبر نہ ملتی اس روز کو زندگی میں شمار نہیں کرتے تھے

اس باغ میں غنی کشمیری کی بے تاب روح یوں نغمہ خوانی کررہی ہے ۔ اقبال نے فنکارانہ انداز میں غنی کی زبانی اپنے خیالات یوں پیش کئے ہیں :

این مشت پر کجا سرودایں چنیں کجا ... روح غنی است ماتمیء مرگ آرزوے
باد صبا اگر بہ صنبوا گزر کنی ... حرفے زما بہ مجلس اقوام باز گوے
دہقان و کشت و جوے خیاباں فروختند قومے ... فروختند و چہ ارزاں فروختند (۱)

اس شعر میں یہ اشارہ ملتا ہے کہ انگریزوں نے پورا کشمیر گلاب سنگھ کو صرف پچاس لاکھ روپے میں فروخت کیا۔ یہ واقعہ ۱۸۴۶ء کا ہے جب سارا کشمیر غلامی کی زد میں آگیا۔

"جاوید نامہ" اقبال نے ۳۱-۱۹۳۰ء میں لکھی تھی جس وقت کشمیر میں تحریک آزادی چل رہی تھی ۔ علامہ کے مطابق کسی قوم کو یہ حق نہیں کہ دوسرے قوم کا سودا کرے ۔

می تواں ایراں و ہندوستان خرید ... بادشاہی رازکس نتواں خرید
جام جم را اے جوان با ہنر ... کس نہ گیرد از دکان شیشہ گر (۲)

علامہ اقبال ان حالات میں بھی پرامید ہیں اور انہیں کشمیری قوم باہنر قوم لگتی ہے اور وہ کسی بھی وقت کوئی بھی مشکل کام انجام دے سکتی ہے ۔ انہیں اس بات پر فخر ہے کہ جن برہمن زادوں نے ہندوستان کو ذوق آزادی عطا کیا وہ کشمیر ہی کے باشندے ہیں ۔

ہند راایں ذوق آزادی کہ داد ... صید را سودائے صیادی کہ داد
آں برہمن زادگان زندہ دل ... لالہء احمر ز روے شاں خجل
تیز بین و پختہ کار و سخت کوش ... از نگاہ شاں فرنگ اندر خروش
اصل شان از خاک دامنگیر است ... مطلع ایں اختراں کشمیر است (۳)

اں حالات میں غنی زندہ رود سے کہتے ہیں کہ

کاروانہا از صدائے تو درا ... تو زاہل خط نومیدی چرا

اس حوصلہ افزائی کے بعد غنی ایک نوائے مستانہ کی فرمائش کرتا ہے جس کے جواب میں زندہ رود "زبور عجم" کی ایک غزل سناتا ہے جواس کتاب کی بہترین غزلوں میں سے ہے ۔

---

۱ محمد اقبال کلیات اقبال فارسی حصہ جاوید نامہ ـــــ ص ۱۵۰
۲ ایضاً ص ۱۵۱
۳ ایضاً ص ۱۵۲

اس کے مطلع میں اقبال کا فلسفہء تعلیمات قرآنی کا خلاصہ پوشیدہ ہے۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اگر قوم آپس میں لڑتی رہی تو یہ خطرناک مسئلہ ہے اگر قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو تو یہ کسی بھی دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

ہیچ می دانی کہ روزے در ولر — موجہء می گفت با موج دگر
چند در قلزم بیگ دیگر زنیم — خیز تا یک دم بساحل سر زنیم
تا کران در ساختن مرگ دوام — گرچہ اندر بحر غلطی صبح و شام
زندگی جو حولامیان کوہ دشت — اے خنک موجے کہ از ساحل گزشت

حقیقی شاعری وہ ہوتی ہے جس سے قوم کے تقدیر کی تشکیل ہو۔ اس شاعری کی وضاحت کرتے ہوئے غنی کشمیری کہتے ہیں کہ اقبال تو نے قومون کو زندہ کردیا مگر قوم کو تیری شاعری کی کوئی قدر نہیں اس لئے بہشت میں حوروں کو اپنا کلام سناؤ۔ کیونکہ آپ کا کلام شاعری سے بھی (ماورا) بالاتر ہے۔

از نوا تشکیل تقدیر امم — از نوا تخریب و تعمیر امم
نشتر تو گرچہ در دلہا خلید — مر ترا چو نانکہ ہستی کس ندید
پردہء تو از نوائے شاعری است — آنچہ گوئی ماورائے شاعری است
تازہ آشوبے فگند اندر بہشت
یک نوا مستانہ زن اندر بہشت (۱)

"جاوید نامہ" میں اقبال نے غنی کاشمیری کی عظیم المرتبت شخصیت کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ سید عبدالواحد لکھتے ہیں :

"ان اشعار میں اقبال نے غنی کی زبانی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اقبال کو اہل کشمیر کے شاندار مستقبل پر یقین واثق ہے وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ایسا جفا کش، چرب دست اور ذہین قوم محکوم نہیں رہ سکتی۔" (۲)

---

۱ اقبال کلیات اقبال فارسی حصہ جاوید نامہ ص ۱۵۴

۲ سید عبدالواحد نقش اقبال ص ۱۴۸

علامہ اقبال اور خواجہ حافظ شیرازی

شمس الدین محمد حافظ جنہیں لسان الغیب کا لقب دیا گیا ہے آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ۷۲۶ء کے قریب شیراز میں پیدا ہوئے۔ تذکروں میں ان کے والد کا نام بہاءالدین لکھا ہے جو فارس کے سلغری اتابکوں کے عہد میں اصفہان سے ہجرت کر کے شیراز چلے آئے تھے۔ خواجہ حافظ کی والدہ کازرون کی رہنے والی تھیں۔ (۱)

"خواجہ حافظ کے آبا و اجداد اصفہان سے آئے تھے اور شیراز میں سکونت پزیر ہو گئے تھے۔ جو اس وقت سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ خواجہ کے والد کا نام بہاءالدین تھا اور تجارت ان کا ذریعہ معاش تھا اور وہ شیراز کے دولتمندوں میں شمار ہوتے تھے۔ باپ کے انتقال کے بعد ساری جائداد بیٹوں نے ترکہ میں پائی لیکن انہوں نے اپنی نالائقی کے سبب اسے چند ہی دن میں برباد کر دیا۔

خواجہ ان سب میں چھوٹے تھے۔ بچپن کا زمانہ بڑی عسرت اور تنگدستی میں گزارا جب وہ ذرا بڑے ہوئے تو ایک نانبائی کے یہاں خمیر بنانے کا کام شروع کر دیا۔ پاس ہی ایک مکتب تھا جب ادھر سے گزرتے تو اور لڑکوں کو مدرسے جاتے دیکھکر دل ہی دل میں سوچتے کہ کاش یہ موقعہ مجھے بھی نصیب ہوتا۔ چنانچہ کسی نہ کسی طرح انہوں نے وقت نکال کر مدرسہ میں داخلہ ہی لیا۔ کام کی جو اجرت تھی اس میں ایک تہائی ماں کو دیتے، ایک تہائی تعلیم کا خرچ ادا کرتے اور بقیہ ایک تہائی اللہ کی راہ میں خیرات کر دیتے جس شخص کی ابتدائی زندگی میں شوق علم اور تقویٰ کا یہ عالم ہو پھر اس کے آگے کی زندگی کا کیا کہنا۔" (۲)

---

۱ ڈاکٹر رضازادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۴۰۹

۲ دیوان حافظ (مترجم) قاضی سجاد حسین (پیش لفظ ڈاکٹر سعید انصاری) ص ا

حافظ نے متداول علوم کی تحصیل اپنے وطن ہی میں کی ۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے علماء کی مجلس درس سے استفادہ کیا اور ان علوم میں ایک بلند مقام پر پہنچ گئے ۔ان علماء میں ایک قوام الدین عبداللہ (متوفی ۷۷۲) بھی تھے ۔ محمد گلندام جو حافظ کے ہم عصر اہل فضل اور ممتاز کرہ قوام الدین عبداللہ کے حلقہء درس میں ہمیشہ شریک رہنے والوں میں تھے کی شہادت موجود ہے کہ ہمارا بلند پایہ شاعر " تحشیہ کشاف و مصباح ، مطالعہ مطالع و مفتاح ، و تحصیل قوانین ادب و تحسین و داویں عرب " پر قدرت رکھتا تھا ظاہر ہے کہ کشاف سے مراد تفسیر میں زمخشری متوفی (۵۳۸) کی کشاف ، نحو میں مطرزی (متوفی ۶۱۰) کی مصباح ، حکمت میں بیضاوی (وفات در آخر قرن ہفتم) کی طوالع الانور من مطالع الانظار یا منطق میں قطب الدین رازی کی شرح مطالع اور ادب میں سکاکی (متوفی ۶۲۶) کی فتاح العلوم ہے ۔(۱)

حافظ کی شعر و شاعری کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ محلے میں ایک بزاز رہتا تھا ، جس کی دکان پر اکثر شعر و سخن کی محفلیں گرم رہا کرتی تھیں ۔ خواجہ حافظ بھی فرصت کے اوقات میں وہاں پہونچ جاتے تھے اور دوسروں کو دیکھتے دیکھتے خود بھی شعر کہنے لگے لیکن طبیعت کچھ موزوں نہ پاتی تھی ۔ اس لئے اکثر ان کا کلام دوسروں کے لئے تفریح کا سامان ہوتا تھا ۔ حافظ اس سبب سے دل گرفتہ ہوئے اور ایک دن بابا کوہی نامی ایک بزرگ کے مزار پر گئے اور پھوٹ پھوٹ کر روئے رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ان کو لقمہ کھلا رہے ہیں ۔ اور کہتے ہیں جا ۔ اب تجھ پر علم و ادب کے دروازے کھل گئے ۔ صبح کو اٹھے تو یہ غزل شروع کی :

دوش وقت سحر از غصہ نجاتم دادند   وندران ظلمت شب آب حیاتم دادند

اس کے بعد سے خواجہ کی غزل گوئی کی شہرت گھر گھر عام ہو گی اور لوگوں کی وہ دلچسپی سنجیدگی اور احترام میں بدل گئی ۔(۲)

حافظ نے قرآن کا گہرا مطالعہ کیا اور اسے حفظ بھی کرلیا تھا ۔ انہوں نے تخلص بھی اس رعایت سے اختیار کیا تھا ۔ انکے بعض اشعار سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں ۔

ندیدیم خوش تراز شعر تو حافظ   بقرآنی کہ تو در سینہ داری

---

۱   ڈاکٹر رضا زادہ شفق   تاریخ ادبیات ایران ص ۴۰۹

۲   دیوان حافظ   مولانا قاضی سجاد حسین (پیش لفظ از سعید انصاری) ص ۲

اور عرفان کے لطیف ذوق کے ساتھ وہ حکمت کی تعلیم قرآنی آیات کے ساتھ دیتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں :

زحافظان جہاں کس چو بندہ جمع نکرد　　　لطایف حکماء با کتاب قرآنی (۱)

حافظ شیرازی کی شہرت اس قدر عام ہوئی کہ نہ صرف شیراز کے امراء و سلاطین نے ان کی قدر اور افزائی کی بلکہ دور دور سے ان کو بلانے کے دعوت نامے آگئے۔ خواجہ نے اپنے زمانے میں شیراز کی سلطنت پر مختلف بادشاہوں کی شام و سحر دیکھی۔ ہر ایک نے آپ کے علم وفضل کی قدر کی آپ نے اپنی شاعری میں شعراء، علماء اور حکماء کا ذکر کیا ہے۔ بادشاہوں کا ذکر بھی حافظ کی شاعری میں ملتا ہے۔ شاہ شجاع ایک بہت صاحب علم و فن اور خواجہ صاحب کا بڑا قدر دان تاجدار گزرا ہے۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی میکدوں سے پابندیاں اٹھادیں جو اس کے پیشروؤں نے عائد کر رکھی تھیں۔ خواجہ صاحب نے ایک پوری غزل اس خوشی میں لکھ ڈالی جسکا مطلع ہے :

سحر زہاتف غیبم رسید مژدہ بہ گوش
کہ دور شاہ شجاع ست مے دلیرانہ بہ نوش (۲)

شاہ شجاع کے دربار میں ایک فقیہ خواجہ عماد تھے جن سے شاہ شجاع کو بڑا اعتقاد تھا۔ خواجہ عماد نے ایک بلی پال رکھی تھی اور جس کو اس طرح تعلیم دے رکھی تھی کہ جب وہ نماز پڑھتے تو بلی بھی اسی انداز سے ارکان نماز ادا کرتی۔ خواجہ صاحب کو یہ ریا و مکر کب گوارا ہوسکتا تھا۔ اپنی ایک غزل میں اس کا یوں پردہ فاش کیا ہے۔

اے کبک خوش خرام کہ خوش می اروی بہ ناز
غرہ مشو کہ گربہء عابد نماز کرد

خواجہ عماد کو یہ بات بری لگی اور انہوں نے شاہ شجاع سے خواجہ صاحب کی شکایتیں کرنا شروع کر دیں۔ ایک دن شاہ نے خواجہ صاحب کو بلایا اور کہا کہ آپ کے کلام میں کوئی یکسانیت اور ہمواری نہیں ہوئی۔ ایک شعر تصوف، دوسرا مے نوشی، تیسرا شاہد بازی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ہاں ان سب برائیوں کے باوجود میری غزلیں زبان سے نکلتے ہی دنیا میں پھیل جاتی ہیں۔ شاہ شجاع

۱　رضازادہ شفق　تاریخ ادبیات ایران　ص ۴۱۰
۲　دیوان حافظ (مترجم) مولوی قاضی سجاد حسین (پیش لفظ سعید انصاری) ص ۲

اس جواب کو سنکر خاموش ہو گیا۔(۱)

اسی عہد کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک سال تیمور بادل کی طرح گرجتا ہوا ایک بڑے لشکر کے ساتھ شیراز پر حملہ آور ہوا۔ ایرانی فوجیں اس کے حملوں کی تاب نہ لاسکیں اور شیراز دم کے دم میں فتح ہو گیا۔ تیمور شاہ شجاع کے بھائی نصرت الدین کو شیراز کی سلطنت سپرد کر کے خود واپس جانے لگا۔ خواجہ حافظ کو بھی طلب کیا اور پوچھا یہ شعر آپ کا ہے۔

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل مارا
بخال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

خواجہ صاحب نے فرمایا۔ ہاں۔ اس پر تیمور نے کہا میں نے تمام دنیا اس لئے فتح کیا ہے کہ اپنے وطن سمرقند و بخارا کو مالامال کردوں اور آپ اسے معشوق کے ایک تل کے عوض دے دیتے ہیں۔ خواجہ صاحب نے مسکرا کر کہا انہی فیاضیوں کا تو یہ نتیجہ ہے کہ میں تنگدستی کی حالت میں ہوں۔(۲)

خواجہ حافظ نے ۷۹۱ کو شیراز میں وفات پائی اور شہر کے اسی حصے میں جسکی سیر و تفریح سے وہ اپنا دل بہلاتے تھے اور اس کی گل گشت ان کی محبوب تفریح گاہ تھی اور جس کا نام "مصلی" تھا سپرد خاک کئے گئے۔ اب اسی مقام پر اس بلند مرتبہ شاعر کے شایان شان مقبرہ تعمیر کیا گیا ہے کسی شاعر نے "خاک مصلیٰ" ہی سے شاعر کی وفات تاریخ نکالی۔ کہتا ہے :

چراغ اہل معنی خواجہ حافظ — کہ شمعی بود از نور تجلی
چو در خاک مصلیٰ ساخت منزل — بجو تاریخش از خاک مصلیٰ (۳)

حافظ نے اپنی شاعری میں مختلف موضوعات کو مختلف طریقوں اور شاعری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ بڑی شیرینی اور سادگی کے ساتھ پیش کیا ہے ۔یہی وجہ ہےکہ حافظ کا کلام کافی مشہور ہوا۔ دنیا میں انسان کو جن دشواریوں اور ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے ظاہر ہے کہ انسان کو کبھی کبھی پستی کا عالم بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ حافظ نے اپنے عارفانہ ارادوں اور فیروزمند جولانیوں کو

---

۱ دیوان حافظ (مترجم) مولوی قاضی سجاد حسین (پیش لفظ سعید انصاری) ص ۲
۲ ایضاً ص
۳ ڈاکٹر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۴

پست نہ ہونے دیا۔اس کے عزم میں کبھی فرق نہ آیا شوق حیات اور نور امید سے اس کا دل محروم نہ ہونے پایا بلکہ اس نے سینہ سپر ہو کر حوادث کامقابلہ کیا(۱) خود کہتے ہیں :

بگذر ایں روز گار تلخ تراز زہر　　بار دگر روز گار چوں شکر آید

بلبل عاشق تو عمر خواہ کہ آخر باغ شود سبز و سرخ گل بدر آید

صبر و ظفر دو دوستان قدیمند　　بر اثر صبر نوبت ظفر آید (۲)

علامہ اقبال نے اس عظیم المرتبت شاعر اور شخصیت کا ذکر نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ اپنی شاعری اور خطوط میں کیا ہے۔ علامہ نے حافظ کے کئی اشعار کو تضمین بھی کیا ہے اور ان کی شاعری سے متاثر بھی نظر آتے ہیں۔اگرچہ علامہ حافظ کی شاعری میں جمود، گوشہ نشینی اور مایوسی جیسی بڑی چیزوں کو پسند نہیں کرتے مگر پھر بھی علامہ نے حافظ کے شاعرانہ فن کو سراہا ہے اور ان کو اپنی شاعری میں وہ مقام عطا کیا ہے جس کے حافظ شیرازی مستحق تھے۔ جہاں علامہ نے "اسرار خودی" میں حافظ کی شاعری پر اعتراضات کئے ہیں وہاں "پیام مشرق" میں وہ حافظ سے متاثر نظر آتے ہیں۔ علامہ نے حافظ کے کئی اشعار کو اپنی شاعری میں درج کیا ہے۔وہ حافظ کے فن کی قدر کرتے ہیں اور داد دیتے ہیں۔ملک حسن اختر لکھتے ہیں :

"اقبال حافظ کو فنکار کی حیثیت سے بلند مقام پر فائز کرتے ہیں مگر وہ ایسے فنکار کو (خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو)جو عوام کے اخلاق پر برا اثر ڈالے پسند نہیں کرتے۔"(۳)

مہاراجہ کرشن پرشاد کے نام ایک خط میں مورخہ ۲ اپریل ۱۹۱۴ء کو لکھتے ہیں :

" خواجہ حافظ کی شاعری کا میں معترف ہوں میرا عقیدہ ہے کہ ویسا شاعر ایشیاء میں آج تک پیدا نہ ہوسکا اور غالباً پیدا نہیں ہو گا لیکن جس کیفیت کو وہ پڑھنے والے کے دل پر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔وہ کیفیت قوائے حیات کو کمزور اور ناتواں کرنے والی ہے۔" (۴)

۱　رضا زادہ شفق　تاریخ ادبیات ایران ص ۴۲۶

۲　دیوان حافظ مترجم قاضی سجاد حسین　ص ۹۶

۳　ملک حسن اختر　دائرۃ المعارف اقبال　ص ۱۶۶

۴　ماہنامہ ادبی دنیا لاہور　اپریل و مئی ۱۹۷۰ء ــــ ص ۱۱

علامہ نے حافظ شیرازی کی شاعری سے نہ صرف اثرات قبول کرلئے بلکہ انہوں نے ان کی شاعری سے استفادہ بھی کیا۔ وہ ان کے اسلوب کو کافی پسند کرتے ہیں۔

اقبال کو حافظ کا مخالف سمجھا جاتا رہا ہے حالانکہ ایسا ہر گز نہیں اقبال بدو شعور سے آخری ایام تک حافظ کی فنی عظمت کے دل سے قائل رہے۔اسلوب کے اعتبار سے حافظ ان کے محبوب ترین شعراء میں شامل ہیں۔ اقبال نے حافظ کی مقبولیت کے پیش نظر ان کے اشعار کے بعض معانی سے اختلاف کیا۔ یہ ایسا ہی اختلاف تھا جیسے امام محمد غزالی (م ۵۰۵ء) کو بو علی سینا (م ۴۲۸ھ) سے تھا یا ابن رشد (م ۵۹۵ھ) کو غزالی سے مگر جس طرح غزالی، ابن سینا یا ابن رشد غزالی کی عظمت کے قائل تھے اسی طرح اقبال حافظ کی فنی عظمت کے مدح خوان رہے ہیں۔(۱)

ان باتوں کے علاوہ علامہ اور حافظ شیرازی کی شاعری میں مماثلت کے کئی پہلو نظر آتے ہیں۔ دونوں میں جہاں اصولی اختلافات موجود ہیں وہیں دونوں کی فارسی شاعری کا معیار ایک ہی نظر آتا ہے۔ علامہ نے بخوبی حافظ کا رنگ اپنایا۔ خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں :

"اقبال کی کئی فارسی غزلیں ایسی ہیں کہ اگر ان کو دیوان حافظ میں داخل کردیا جائے تو پڑھنے والے حافظ کے کلام سے اس کا امتیاز نہ کرسکیں۔"(۲)

ان ہی مماثلتی پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے محمد منور لکھتے ہیں :

"حق یہ ہے کہ حافظ کے حسن بیان، حسن اختراع، حسن تراکیب اور حسن آہنگ کا اثر علامہ اقبال پر تمام عمر رہا۔ حافظ کے فقر و مستی اور درویشی و بے نیازی کے مضامین بھی نقط نظر کے اختلافات کے باوصف علامہ اقبال کے ذل و دماغ پر مستقل اثرات چھوڑ گئے۔"(۳)

---

۱ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اور فارسی شاعری ص ۱۸۰

۲ خلیفہ عبدالحکیم فکر اقبال ص ۳۷۴

۳ محمد منور علامہ اقبال کی فارسی غزل مشمولہ صحیفہ اقبال نمبر حصہ دوم مرتب وحید قریشی جنوری ۱۹۷۴ء ص ۷۵

پروفیسر نذیر احمد دونوں شعراء کے مماثلت پر تبصرہ یوں کرتے ہیں :

"دونوں اسلامی توحید کے قائل اور وحدت الوجود کے منکر نظر آتے ہیں ۔ دونوں کی شاعری میں دل وجدانی ادراک کا مرکز قرار دیا گیا ہے اس کا آئینہ جمال الہی' کا پر تو ہے ۔ انسانی عظمت کے بارے میں دونوں شاعر متحد الخیال ہیں ۔ دونوں نے فقر و استغنا کو سراہا ہے ۔ دونوں کے نزدیک قناعت و توکل کا مقصد استغنا ہے ۔ مرد قلندر کا استغنا اور درویشی کی شان دونون کی سیرت کا جز ہے ۔ واعظ 'زاہد اور صوفی کی پردہ دری دونوں کا دلچسپ موضوع ہے ۔ اقبال کے یہاں دعوت سعی و عمل کا جذبہ شدت سے کارفرما ہے لیکن حافظ کی شاعری میں یہ عنصر کلیتاً ناپید نہیں ۔ دونوں فنکاروں نے رضائے الہی' کو مقصود حیات سمجھا ہے ۔ منصور حلاج دونوں کا ممدوح ہے ۔ حافظ کے نزدیک وہ عشق و سرمستی کا پیکر مجسم ہے اور اقبال اسے اثبات ذات کا مظہر سمجھتے ہیں ۔" (۱)

ان مماثلتی پہلوؤں کے علاوہ دونوں میں اختلافات بھی نظر آتے ہیں ۔

" حافظ کی شاعری اندرونی جذبات و احساسات کی عکاسی اور مقصدیت سے دور ہے ان کے نزدیک انسان مجبور ہے اس کا دائرہ عمل مقدرات کے حدود سے باہر نہیں ہے اس کے بر خلاف اقبال کی اجتماعی مقصدیت کا تقاضا ہے کہ وہ انسان کو مجبور محض نہ مانے وہ بڑی حد تک انسان کو اپنی کام کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں ۔ حافظ کے اشعار میں خودی کا مروجہ تصور کارفرما ہے ۔ اس کے نزدیک خودی کا احساس مٹانا ضروری ہے ۔ اقبال خودی کے تصور میں منفرد ہیں ۔ اساس خودی ان کی شاعری اور فکر میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے ۔ اسی وجہ سے انسان میں دائمی آرزومندی اور جستجو پیدا ہوتی ہے ۔ اسی کو عشق و شوق کہتے ہیں ۔ اس طرح خودی اور شوق ایک دوسرے سے وابستہ و پیوستہ ہوجاتے ہیں ۔" (۲)

---

۱ پروفیسر نذیر احمد پیش لفظ حافظ اور اقبال ___ یوسف حسین خان ص ۴

۲ ایضاً ص ۴

شروع میں اقبال نے حافظ پر تنقید کی تھی لیکن بعد میں اس نے محسوس کیا کہ اپنی مقصدیت کو موثر بنانے کے لئے حافظ کا پیرائیہ بیان اختیار کرنا ضروری ہے ۔ چنانچہ اس نے حافظ کے طرز اسلوب کا شعوری طور پر تتبع کیا اور بعض اوقات جیسا کہ اس نے کہا ہے اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کہ حافظ کی روح اس میں حلول کر آئی ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ طرز اسلوب میں وہ حافظ سے بہت قریب ہے ۔ (۱)

۱۹۱۵ء اقبال کی پہلی فارسی تصنیف "اسرار خودی" چھپ کر سامنے آئی ۔ اس پر افلاطون کے فلسفہ اور حافظ کی شاعری پر اعتراضات تھے اور اس وجہ سے اقبال کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا ۔ اس لئے اقبال نے آئندہ ایڈیشن میں یہ اشعار حذف کر دئے اور باقی اشعار کو "در حقیقت شعر و اصلاح ادبیات اسلامیہ" عنوان کے تحت باقی رہنے دیا ۔ اورنگ زیب عالمگیر نے بھی اقبال کے بیان فرمودہ نکات کے مطابق ہی دیوان حافظ کا پڑھنا ممنوع قرار دیا تھا ۔ (۲)

ان اشعار میں انہوں نے حافظ کو "فقیہ ملت میخوار گاں" اور "امام امت بیچار گاں" کے القاب سے یاد کیا ہے ۔ ان کے اشعار کو زہر کا نام دیا ہے اور ان کے "نغمہء چنگ کو" ذلیل انحطاط کہا ہے ۔ (۳)

اس بارے میں فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں :

۱۹۱۴ء میں مثنوی اسرار خودی زیر تکمیل تھی ۔ اس لئے رات کی مجلسوں میں اس کے مضامین کا ذکر رہتا بعض اوقات علامہ اپنے والد کو مثنوی کے اشعار سناتے ایک دن فرمایا کہ اس مثنوی میں اس حقیقی اسلام کو جسے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا دکھانا چاہتا ہون کیونکہ "ہندوستان کے مسلمان اس عربی اسلام کو بہت کچھ فراموش کر چکے ہیں اور عجمی اسلام ہی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے ۔"

گفتگو کے دوران تصوف کا ذکر چھڑ گیا ۔ علامہ عجمی تصوف کے رائج الوقت مفہوم کو صحیح نہیں سمجھتے تھے ۔ اکثر ایرانی شعراء پر کڑی تنقید اور نکتہ چینی کرتے اور فرماتے انہوں نے بڑی

---

۱ یوسف حسین خان حافظ اور اقبال ص ۷

۲ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اور فارسی شاعری ___ ص ۱۷۹

۳ احسن عبدالشکور اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ ___ ص ۲۹۰

"Subtle" انداز میں شعائر اسلامی پر چوٹیں بلکہ تردید کی ہے۔

۱۹۱۵ء جب اسرار خودی شائع ہوئی۔ اسکا ایک نسخہ علامہ نے اپنے والد کو بھی بھیجا۔ جسے عام طور پر وہ صبح کے وقت بڑے شوق کے ساتھ پڑھا کرتے ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ علامہ کی مثنوی "اسرار خودی" کے خلاف جب یہ ہنگامہ گرم تھا' انہی دنوں علامہ سیالکوٹ تشریف لائے اور باپ بیٹے جب یکجا بیٹھے تو مثنوی پر حلقہء صوفیاء کی برہمی کا ذکر آیا۔ علامہ نے فرمایا' میں نے حافظ کی ذات اور شخصیت پر اعتراض نہیں کیا ہے۔ میں نے صرف ایک اصول کی تشریح کی ہے۔ اس کا افسوس ہے کہ مسلمانان وطن پر عجمی اثرات اس قدر غالب آچکے ہیں کہ وہ زہر کو آب حیات سمجھتے ہیں۔ علامہ کے والد بزرگوار نے بڑی مرنجان مرنج طبیعت پائی تھی۔ انہوں نے اس پر فرمایا کہ اگر حافظ کے عقیدت مندوں کے جذبات کو ٹھیس لگائے بغیر اصول کی تشریح کر دی جاتی تو اچھا تھا۔ علامہ نے اس کے جواب میں کہا " یہ حافظ پرستی بھی تو بت پرستی سے کم نہیں اس پر ان کے والد نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول نے تو بتوں کو بھی برا کہنے سے منع فرمایا ہے۔ اس لئے مثنوی کے وہ اشعار جن پر عقیدت مندان حافظ کو اعتراض ہے آئیندہ ایڈیشن میں ان کا حذف کر دینا ہی مناسب ہوگا۔ علامہ نے اس پر زبان سے کچھ نہیں کہا' بس مسکرا کر رہ گئے اور اپنے والد محترم سے بحث کرنے کے بجائے ان کے حضور سر تسلیم خم کر دیا بعد کی اشاعتوں میں علامہ نے حسب ذیل ۳۵ اشعار مثنوی سے خارج کر دیے۔

ہوشیار از حافظ صہبا گسار ۔۔۔ جامش از زہر اجل سرمایہ دار
رہن ساقی خرقہء پرہیز او ۔۔۔ مے علاج ہول رستاخیز او
نیست غیر از بادہ در بازار او ۔۔۔ از دو جام آشفتہ شد دستار او
چوں خراب از بادہ گلگوں شود ۔۔۔ مایہ دار حشمت قاروں شود
مفتی اقلیم او مینار بدوش ۔۔۔ محتسب ممنون پیر مے فروش
طوف ساغر کرد مثل رنگ مے ۔۔۔ خواست فتوی از رباب و چنگ و مے
در رموز عیش و مستی کاملے ! ۔۔۔ از خمے خوں در دے پادر گلے
رفت و شغل ساغر و ساقی گذاشت ۔۔۔ بزم رندان و مئے باقی گزاشت !
چوں جرس صد نالہء رسوا کشید ۔۔۔ عیش ہم در منزل جانان ندید
در محبت پیر و فرہاد بود ۔۔۔ بر لب او شعلہ فریاد بود

تخم نخل آہ در کہسار کاشت — طاقت پیکار با خسرو نداشت

مسلم و ایماں او زنار دار — رخنہ اندر دینش از مژگان یار

آنچناں مست شراب بندگی مست — خواجہ و محرم ذوق خواجگی مست

"دعوی او نیست غیر از قال و قیل — دست او کوتاہ و خرما بر نخیل"

آں فقیر ملت میخوار گاں — آں امام امت بے چار گاں

گوسفند است و نو آموخت است — عشوہ و ناز و ادا آموخت است !

دلربائی ہائے او زہر است و بس — چشم او غارت گر شہر است بس

صنعت را نام توانائی دہد — ساز او اقوام را اغوا کند

از بزیونان زمین زیر کتر است — پردۂ عودش حجاب اکبر است

نغمۂ چنگش دلیل انحطاط — ہاتف او جبرئیل انحطاط

بگذر از جامش کہ در مینائے خویش — چوں مریدان حسن دارد حشیش

از تخیل جنتے پیدا کند — مر ترا بر نیستی شیدا کند !

ناوک اندازے کہ تاب از دل برد — ناوک او مرگ را شیریں کند

مار گلزارے کہ دارد زہر ناب — صید را اول ھمی آراد بخواب

عشق با سحر نگاہش خود کشی است — کشتنش مشکل کہ مار خانگی است

حافظ جادو بیاں شیرازی است — عرفی آتش زباں شیرازی است

این سوئے ملک خودی مرکب جهاند — این کنار آب رکن آباد ماند

این قتیل همت مردانہ — آں ز رمز زندگی بیگانہ

دست ایں گیرد ز انجم خوشہ — چشم آں از اشک دارد توشہ

روز محشر رحم اگر گوید بگیر — عرفیا ! فردوس و خوارء و حریر

غیرت او خندہ بر خوراء زند — پشت پا بر جنت الماوی زند

بادہ زن با عرفی ھنگامہ خیز ! — زندہ ! از صحبت حافظ گریز

ایں فسوں خواں زندگی از ما ربود — جام او شان جمی از ما ربود

محفل او در خور ابرار نیست — ساغر او قابل احرار نیست

بے نیاز از محفل حافظ گزر
الحذر راز گو سفنداں الحذر (۱)

مذکورہ اشعار میں عرفی کو حافظ پر ترجیح دی گئی ہے کیونکہ عرفی کے یہاں جوش اور توانائی ملتی ہے اور حافظ کے ہاں کاہلی، اور سستی مگر پھر بھی علامہ حافظ سے کافی متاثر نظر آتے ہیں۔ یوسف حسین خان لکھتے ہیں :

"اس کڑی تنقید میں بھی اقبال حافظ کے پیرایہ بیان کے جادو سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا چنانچہ اس کا یہ مصرعہ "از دم جام آشفتہ شد دستار او" حافظ کے اس شعر کی آواز بازگشت ہے جس میں اس نے صوفی کی کم ظرفی ظاہر کی ہے کہ تھوڑی سی پی کر اس نے اپنی ٹوپی ٹیڑھی کرلی دو پیالے اور پی لیتا تو اس کی ساری پگڑی زمین پر گر جاتی

صوفی سر خوش ازیں دست کہ کج کرد کلاہ
بدو جام دگر آشفتہ شد دستارش

اقبال کا یہ مصرعہ از دو جام آشفتہ شد دستاو حافظ کے مندرجہ بالا شعر کے زیر اثر لکھا گیا ہے۔" (۲)

فنی لحاظ سے علامہ حافظ کے کلام کا معترف تھا۔ حافظ کا کلام حسین اور دلکش ہے مگر علامہ کے نزدیک اس کی افادیت بہت کم ہے کیونکہ حافظ کی شاعری کے برے اثرات سے علامہ خوش نہ تھے۔علامہ نے حافظ پر تنقیدی اشعار کو دوسرے ایڈیشن میں حذف کردیا۔ کیا علامہ کو حافظ کی شاعری نے خوف زدہ کیا تھا(۳) یا یہ وجہ تھی کہ ان کے والد صاحب نے انہیں ایسا کرنے کو کہا اس مسئلہ کے بارے میں مختلف کوششیں کارفرما تھیں۔ اکبر الہ آبادی نے بھی علامہ کو اس بارے میں اپنی رائے دی تھی اس کے علاوہ علامہ نے کس بنیاد پر اشعار کو حذف کردیا۔ وہ علامہ ہی جانتے ہیں مگر یوسف حسین خان مذکورہ اشعار کو حذف کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں

---

۱ فقیر سید وحید الدین روزگار فقیر (جلد دوم) جنوری ۱۹۹۲، ص ۴ تا ۴۲۲

۲ یوسف حسین خان حافظ اور اقبال ص ۱۵

۳ ایضاً ص ۱۸

"اسرار خودی کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حصہ خارج کردیا گیا میرا خیال ہے کہ اس معاملے میں وہ اکبر الہ آبادی کی رائے سے بھی متاثر ہوا۔ اقبال نے حافظ پر اور تصوف کے متعلق جو اعتراضات کئے تھے ان سے صوفیوں میں بڑی برہمی پیدا ہو گئی تھی۔ خواجہ حسن نظامی نے اقبال کے خلاف مضامین لکھے جن کے جواب اس نے امر تسر کے اخبار وکیل میں شائع کئے اس بحثا بحثی نے کافی طول کھینچا۔ اکبر الہ آبادی بھی اس معاملے میں خواجہ حسن نظامی کے ہم نوا تھے۔ لیکن چونکہ ذاتی طور پر وہ اقبال کو عزیز رکھتے تھے اس لئے انہوں نے خواجہ حسن نظامی پر روک کا کام کیا اپنے ایک خط میں خواجہ صاحب کو مشورہ دیا کہ اقبال سے زیادہ نہ لڑے۔ دعائے ترقی و درستی اقبال کیجیئے۔" (۱)

علامہ اقبال نے اکبر الہ آبادی کے نام بھی خطوط ارسال کئے تاکہ یہ غلط فہمی دور ہو جائے۔

"میری بد نصیبی یہ ہے کہ آپ نے اسرار خودی کو اب تک نہیں پڑھا ہے۔ میں نے گزشتہ خط میں عرض بھی کیا تھا کہ ایک مسلمان پر بدظنی کرنے سے محترز رہنے کے لئے میری خاطر اسے ایک دفعہ پڑھ لیجیئے۔" (۲)

علامہ محمد اسلم جیراج پوری کے نام لکھتے ہیں :

"خواجہ حافظ پر جو اشعار میں نے لکھے تھے ان کا مقصد محض ایک لٹریری اصول کی تشریح اور توضیح تھا۔ خواجہ کی پرائیویٹ شخصیت یا ان کے معتقدات سے سروکار نہ تھا۔ مگر عوام اس باریک امتیاز کو نہ سمجھ سکے نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر بڑی لے دے ہوئی۔ اگر لٹریری اصول یہ ہے کہ حسن حسن ہے خواہ اس کے نتائج مفید ہوں خواہ مضر تو خواجہ دنیا کے بہترین شعراء میں سے ہیں۔" (۳)

اور ایک خط میں علامہ اکبر الہ آبادی کو لکھتے ہیں :

---

۱ یوسف حسین خان حافظ اور اقبال ص ۱۷ بحوالہ خطوط اکبر بنام خواجہ حسن نظامی

۲ اقبال نامہ جلد اول ص ۵۳

۳ ایضاً ص ۵۵ - ۵۴

"اسرار خودی میں جو کچھ لکھا ہے وہ ایک لٹریری نصب العین کی تنقید تھی جو مسلمانوں میں کئی صدیوں سے پاپولر Popular ہے - اپنے وقت میں اس نصب العین سے ضرور فائدہ ہوا - اس وقت یہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہے - خواجہ حافظ کی ولایت سے اس تنقید میں کوئی سرو کار نہ تھا نہ ان کی شخصیت سے نہ ان اشعار میں " مے " سے مراد وہ " مے " ہے جو لوگ ہوٹلوں میں پیتے ہیں بلکہ اس سے وہ حالت سکر (Narcotic) مراد ہے جو حافظ سے بحیثیت مجموعی پیدا ہوتی ہے -"(۱)

علامہ اقبال حافظ کے حالات جاننے کے آرزو مند تھے اور اس جستجو میں تھے کہ حافظ کے تمام حالات میسر آجائیں - اس سلسلے میں انہوں نے ۱۹ جولائی ۱۹۱۶ء کو مولوی سراج الدین پال کو ایک خط میں لکھا -

"خواجہ حافظ کے متعلق ایک معاصرانہ شہادت ملفوظات شاہ جہانگیر اشرف میں پائی جاتی ہے - یہ کتاب کمیاب ہے مگر معلوم نہیں کہ یہ ملفوظات کس نے جمع کیے اور شاہ جہانگیر اشرف کی وفات کے کس قدر عرصے بعد؟ شاہ جہانگیر اشرف حافظ کے ہمعصر تھے اور جامع ملفوظات لکھتا ہے کہ شاہ جہانگیر حافظ کو ولی کامل تصور کرتے تھے اور وہ حافظ سے ہم صحبت رہے ہیں - اس کے متعلق بھی میں جستجو کر رہا ہوں -"

اس خط میں حافظ کے صوفی ہونے کے بارے میں اظہار کرتے ہوئے مولانا جامی کی رائے لکھتے ہیں :

"مولانا جامی کی نفحات الانس بھی ملاحظ کیجئیے اور غور سے دیکھے کہ مولانا نے کس قدر احتیاط سے حافظ کے متعلق لکھا ہے - - -

پھر لکھتے ہیں :

تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے - - - - اور سب سے آخری شاعر حافظ ہے (اگر اسے صوفی سمجھا جائے) -"(۲)

---

۱ اقبال نامہ جلد اول ص ۵۴ - ۵۳

۲ ایضاً ص

اقبال قوم میں جمود اور سستی کو ختم کرنے کے خواہاں تھے وہ چاہتے تھے کہ محکوم قوم غلامی کی زنجیروں کو یقین محکم اور عمل پیہم کے ذریعے ہی توڑ سکتی ہے ۔ اقبال کا خیال ہے کہ حافظ کی متصوفانہ شاعری سے جماعت کی قوت عمل کمزور ہو گی ۔ ان کے مطابق حرکت و عمل کے بغیر کوئی بھی قوم سر بلندی حاصل نہیں کر سکتی ۔

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے
بے معرکہ ہاتھ آئیں جہاں تخت جم و کے

اقبال ایسی شراب پلانے کے حق میں ہیں جس میں مقصدیت ہو ۔ وہ اس شراب کے حق میں نہیں ہے جس سے قوم می مست و بے عمل ہو جائے ۔

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا بزم کہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مے مجاز دے

علامہ نے حافظ کی تنقید کرتے ہوئے بھی ان کی فنی عظمت کو سراہا ہے چنانچہ اقبال کی فارسی غزلوں کا پہلا مجموعہ " پیام مشرق "ہے جسے "مے باقی" کا عنوان دیا گیا ہے اس کی پہلی غزل ہی میں اقبال نے اپنی اجتماعی معنویت اور زندگی کے ممکنات کو صاف صاف بیان کیا ہے ۔ یہ غزلیات حافظ کے رنگ میں رنگی ہوئی نظر آتی ہیں خاصکر " مے باقی " کا عنوان حافظ ہی کی ترکیب ہے ۔

بدہ ساقی مے باقی کہ در جنت نخواہی یافت
کنار آب رکنا باد و گلگشت مصلا را

حافظ کے ساتھ اقبال کے بے پناہ لگاؤ کا ذکر کرتے ہوئے عطیہ بیگم فیضی لکھتی ہیں :

"باتوں باتوں میں حافظ کا ذکر چھڑ گیا چونکہ مجھے اس عظیم شاعر سے دلچسپی تھی میں نے اس کے کئی بر محل شعر سنائے مجھے پتہ چلا کہ اقبال بھی حافظ کے بے حد مداح ہیں ۔ انھوں نے کہا جب میری طبیعت کا میلان حافظ کی طرح ہوتا ہے تو اس کی روح مجھ میں حلول کر جاتی ہے اور میری شخصیت اسکی شخصیت میں گم ہو جاتی ہے اور میں خود حافظ بن جاتا ہوں ۔"(۱)

---

۱ اقبال عطیہ بیگم فیضی ترجمہ برنی اقبال اکیڈمی کراچی ـــــــ ص ۱۱ - ۱۰

علامہ اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" کا ترجمہ پروفیسر نکلسن نے کیا۔ ۱۹۲۰ء میں یہ اشاعت ہوا۔ علامہ اقبال نے اس کا ذکر اپنے والد کے نام ایک خط میں کیا۔

" آپ کو معلوم کر کے تعجب ہو گا کہ جب یہ مثنوی شائع ہوئی تھی تو یہاں کے صوفیاء نے اس پر اعتراض کیا تھا کہ مصنف مسلمانوں کو مغربی خیالات سکھاتا ہے اور ان کو ان کی فرنگیت کے رنگ میں رنگنا چاہتا ہے لیکن مغرب کے مترجم نے دیباچے میں لکھا ہے کہ یہ مثنوی زبردست آواز ہے جو مسلمانوں کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی طرف بلاتی ہے اور اس آواز میں جو سوز صداقت ہے اس کی ہم تعریف کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔"(۱)

علامہ نے اس تاثر کا اظہار ایک اور جگہ یوں فرمایا۔ فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں :

" کہ جس قوم کے لئے یہ مثنوی لکھی گئی ہے وہ نہ تو ٹھیک طرح سے اس کے مفہوم کی تہہ کو پہنچتی ہے اور نہ اس آواز اور پیغام کو سنتی ہے مگر جن قوموں سے اس مثنوی میں خطاب ہی نہیں کیا گیا وہ اس کا مطلب سمجھ گئی ہیں۔

علامہ اقبال کی حیات میں بعض صوفیاء نے ان پر خوب کس کر تنقید کی بلکہ دشنام طرازی پر اتر آئے۔ ان کو "فلسفی فطرت زدیں بر گشتہ" تک کہہ دیا مگر وفات کے بعد ایک ۲۵ اپریل کو اخبارات میں حسب ذیل خبر بھی نظر سے گزری۔

علامہ اقبال کو بزم جمالی کا خراج عقیدت

بزم جمالی کے زیر اہتمام حکیم الامت مفکر اعظم علامہ ڈاکٹر محمد اقبال علیہ الرحمہ کا یوم منایا گیا جس میں صوفیہ کرام ور مشائخ عظام نے حلقہء ذکر و شغل، فاتحہ خوانی و نعت خوانی کر کے اور قرآن خوانی کا ثواب پہنچا کر خراج عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر علامہ کا صوفیانہ یا عارفانہ کلام پیش کیا گیا۔ علامہ اقبال نے بہ حیثیت صوفی کے جو خدمت و اشاعت دین اسلام کی کی ہے اس کو سراہا گیا۔ آپ کا روحانی اور ابدی پیغام دنیا کے لئے راہ رشد و ہدایت ہے اور زندہ جاوید یاد گار ہے۔

---

۱ فقیر سید وحید الدین روز گار فقیر (جلد دوم) ص ۴۲۳

ہائے !اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا" (۱)

علامہ اقبال نے حافظ کی شاعری پر جو اعتراضات کئے ہیں اس بارے میں سید عبداللہ لکھتے ہیں :

"حافظ کی شاعری پر دو بڑے اعتراضات کئے ہیں اول یہ کہ وہ اپنی شاعری میں ایک ایسی کیفیت کو محبوب بناتے ہیں جو اغراض زندگی کی منافی ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کی تعلیم موت کی طرف ہے ۔ زندگی کی طرف نہیں ۔ دوم ان کی تعلیم بڑی حد تک مسلمانوں کے زوال کی ذمہ دار ہے اور مسلمانوں کے انحطاط میں اس نے بطور ایک عنصر کام کیا ہے ۔"(۲) ۔

ان سب باتوں کے باوجود علامہ نے حافظ شیرازی کی شاعری سے خاص استفادہ کیا ۔انہوں نے نہ صرف ان کے اشعار کو پسند کیا بلکہ اقبال حافظ کی شاعری سے کافی حد تک متاثر نظر آتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے علامہ نے اپنے فارسی کلام کے علاوہ اردو کلام میں بھی حافظ کے بہت سے اشعار درج کئے اور ان سے استفادہ کیا ۔

مزا تو یہ ہے کہ یوں زیر آسمان رہے ہزار گونہ سخن در دہان و لب خاموش
یہی اصول ہے سرمایہ سکون حیات گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش
پیام مرشد شیراز بھی مگر سن لے کہ ہے سر نہاں خانہء ضمیر سروش
محل نور تجلی است رای انور شاہ چو قرب اوطلبی در صفای نیت کوش(۳)

ہوائے بزم سلاطین دلیل مردہ دلی کیا ہے حافظ رنگین نوا نے راز یہ فاش
گرت ہواست کہ با خضر ہم نشین باشی نہاں ز چشم سکندر چو آب حیوان باش ۴

---

۱ فقیر سید وحیدالدین روز گار فقیر (جلد دوم) ص ۴۲۵ ۔ ۴۲۴

۲ سید محمد عبداللہ حافظ اور اقبال کے ذہنی فاصلے ، صحیفہ لاہور دسمبر ۱۹۵۷ء ص ۱۰ ، دوسرا شمارہ

۳ نظم قرب سلطان (بانگ درا) کلیات اقبال اردو ــــ ص ۲۰۹

۴ بانگ درا (ایک خط کے جواب میں) ص ۲۳۸

دلق حافظ بچہ ارذد بہ میش رنگین کن   و آنگش مست و خراب از رہ بازار بیار (۱)

شہپر زاغ وزغن در بند قید و صید نیست   ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند(۲)

"بانگ درا" ہی میں "طلوع اسلام" والی نظم میں حافظ کا یہ شعر ملتا ہے۔

بیا تا گل بفشانیم و می در ساغر اندازیم
فلک را سقف بشگافیم و طرح دیگر اندازیم

عاقبت منزل ماوادی خموشاں است
حالیہ غلغلہ در گنبد افلاک انداز

(بال جبریل) (نظم نپولین کے مزار پر)

حالی اور شبلی پر ماتم کرتے ہوئے "بانگ درا" میں اقبال نے حافظ کا یہ شعر درج کیا ہے :

اکنون کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت گل چہ شنید و صبا چہ کرد   (شبلی و حالی)
در غم دیگر بسوز و دیگران را ہم بسوز
گفت روشن حدیثی، گر توانی دار گوش۔۔

(بانگ درا)

علامہ اقبال نے "ضرب کلیم" میں ایک نظم "ایجاد معانی" لکھی ہے اس میں حافظ شیرازی کی اس محنت اور کوشش کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے حافظ نے بلند مقام حاصل کیا۔ یہ مقام حافظ کو سخت کوشی پیہم عمل اور کافی محنت سے حاصل ہوا۔

خون رگ معمار کی گرمی سے ہے تعمیر
مے خانہ حافظ ہو کہ بت خانہ بہزاد

---

۱   بانگ درا   ص ۲۸۸
۲   بانگ درا   (نظم اسیری)   ص ۲۵۳

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانہء فرہاد

غرض علامہ اقبال نے حافظ شیرازی کی شاعری پر تنقید کرنے کے باوجود بھی ان کی شاعری سے اثرات قبول کر لئے ان کے فن کو سراہا اور ان کی عظمت کی داد دی - علامہ اس عظیم شاعر کے قدردان تھے اور اس بات کے معترف بھی تھے کہ حافظ کی شاعری کو ایک بلند مقام حاصل ہے - حافظ کے ساتھ اس کی عقیدت آخر تک قائم رہی اور اسکی برابر یہ کوشش تھی کہ وہ اپنی شاعری میں اس کی مستی اور رنگینی کو سمو دے (۱) فارسی زبان کا کوئی شاعر طرز و اسلوب اور پیرایہء بیان میں حافظ سے اتنا قریب نہیں جتنا کہ اقبال ہے - اس کے ماسوا دوسرا کوئی شاعر حافظ کا تتبع نہ کر سکا - اقبال کو اس ضمن میں اولیت کا شرف حاصل ہے - میں اسے حافظ کا روحانی فیض اور خود اس کی اپنی ریاضت کا ثمرہ خیال کرتا ہون - (۲)

---

۱ یوسف حسین خان حافظ اور اقبال ص ۴۱۲
۲ ایضاً

علامہ اقبال اور حکیم سنائی

حکیم سنائی کا نام مجذود تھا اور کنیت ابوالمجد تھی ۔ان کا مولد غزنین تھا ۔ ولادت ۴۶۴ھ مطابق ۱۰۷۱ء کے قریب ہوئی جیسا کہ ان کے مندرجہ ذیل شعر سے واضح ہوتا ہے ۔انہوں نے حدیقہ ۵۲۴ھ میں لکھا۔

پانصد و بیست و چار رفتہ عام
پانصد و بیست و پنج گشت عام

حدیقہ بمبئی (۱۵۸۹ء ص ۴۹۵) چنانچہ اس وقت ان کی عمر تقریباً ساٹھ سال ہو گی حدیقہ (مطبوعہ لکھنو ص ۵۹۲ ــــ ۵۹۳) میں سنائی نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم و بیش تیس سال سے (یعنی تقریباً ۴۹۵ھ سے) شعر و شاعری میں مصروف تھے ۔ یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ ان کے دیوان میں تاریخی یقین کے ساتھ سب سے قدیم کلام وہ دو قطعے ہیں جو انہوں نے سلطان ابراہیم غزنوی م (۴۹۲ھ / ۱۰۹۹) کے وزیر خواجہ محمد بن بہروز بن احمد (ممدوح و مسعود سعد سلمان) کے مرثیے میں لکھے تھے ۔(۱)

سنائی کی پیدائش کے بارے میں بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں :

"سنائی غزنوی میں پیدا ہوا ۔ اس کی صحیح تاریخ ولادت کی تو تحقیق نہیں ہو سکی ۔ محققین کا خیال ہے کہ وہ ۴۶۳ / ۱۰۷۰ یا ۴۷۳ / ۱۰۸۰ میں پیدا ہوا اور ۵۲۵ / ۱۱۳۰ء (یا ۵۳۵ھ / ۱۱۴۰ء) میں وفات پائی ۔ (۲)

مدرس رضوی دیوان حکیم سنائی میں لکھتے ہیں :

"تاریخ تولد سنائی بدرستی معلوم نیست و بیشتر تذکرہ نویسان در این باب سکوت اختیار کردہ و از سال تولد او ذکری نکردہ اند و امیر علی شیر لودی در تذکرہ مرآت الخیال از تاریخ مجمل فصیحی خوافی سال تولد او سنہ ۴۳۷ نقل کردہ است و مدت عمرش را شصت و دو

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۳۱۴
۲ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ستمبر ۷۷ء ص ۱۵۲ - ۱۵۳

سال آوردہ است واین مدت عمر کہ برای حکیم از تاریخ مذکورہ نقل شدہ است بحقیقت نزدیک و بعض از اشعار حدیقہ ہم مدید آنست آنجا کہ سنائی از ضعف و پیری خویش شکایت می کنند ہم جا از سن شصت سالگی یاد کردہ است ۔
واما تاریخ تولدش کہ سال ۴۳۷ ذکر شدہ درست نیست چہ اگر تاریخ اتمام حدیقہ چنانکہ جمعی گفتہ اند یکسال پیش از مرگ وی باشد و وفاتش در سال ۵۳۵ بقول مشہور و در سال ۵۳۵ بنابر آنچہ در سال وفات وی اختیار شدہ و عمرش شصت و دو باشد بنابر این سال تولد وی باید در حدود سال ۴۶۳، یا ۴۷۳ باشد و چون سال وفاتش در سال ۵۳۵ بجہاتی کہ ذکر خواہد شد بصحت نزدیکتر است باین علت تاریخ تولد وی کہ فصیحی خوافی در وفات سنائی ذکر کردہ است ۔ بطور قطع و یقین نادرست است ۔" (۱)
حکیم سنائی کی وفات کے بارے میں مدرس رضوی لکھتے ہیں :
"اشکال دیگر آنست کہ سنائی در آخر حدیقہ تاریخ اتمام آنرا چنین گوید

شد تمام این کتاب در مہ وی ۔۔۔ کہ در آذر فلکندم آنرا پی
پانصد و بیست و پنج رفتہ عام ۔۔۔ پانصد و سی و چار گشت تمام

اگرچہ در روایت بیت تاریخ اختلافست و نسخہ ہای حدیقہ موافق ہم نیست و بیت تاریخ چنین

پانصد و بیست و چہار رفتہ ز عام ۔۔۔ پانصد و بیست و پنج گشتہ تمام

و چنین

پانصد و سی و چار رفتہ ز عام ۔۔۔ پانصد و سی و پنج گشت تمام

از مقدم و این نسخہ کہن دو نکتہ مہم بدست می آید کہ برای روشن شدن تاریخ وفات سنائی بسیار قابل ملاحظ و مناسب است کہ در اینجا بدان اشارہ شود ۔۔ یکی آنکہ در دیباچہء حدیقۃ الحقیہ در داستان خواہش بہرام شاہ غزنوی از حکیم و استکاف وی در دیباچہء نسخہ مخطوطہ تاریخ روز و سال رفتن حکیم شت و معین است و نوشتہ شدہ "مثال فرمود در شب

---

۱ دیوان حکیم سنائی مدرس رضوی ـــس و چہار بحوالہ تاریخ مجمل فصیحی خوافی ص ۱۶۶ ۔ ۲۱۴ چاپی ج ۲

پنجشنبہ سال بر پانصد و بیست و ھفت ۵۲۷ ھلالی کہ او را از بار گاہ مجاھدت بہار گاہ مشاہدت آرند ۔"

و نکتہ دیگر آنکہ در مقدمہء رفاء در نسخہ ھای مخطوط و چاپی سال وفات حکیم یکشنبہ یازدھم شعبان ۵۲۵ است و در این نسخہ سال ۵۲۹ است ۔"

و بنا بر آنچہ از سالہء مذکورہ نقل افتاد جای شک و تردید نیست کہ سال ۵۲۵ در تاریخ وفات سنائی غلط بہیچوجہ جای تاویل نیست ۔"(۱)

سنائی کا انتقال ۵۴۵ھ / ۱۱۵۰ء میں ہوا ہو گا ۔(۲)

ابوالمجد مجد د دین آدم سنائی جوانی ہی سے دربار غزنوی میں منسلک ہو گئے اور اس خاندان کے بعض بادشاہوں مثلاً بہرام شاہ کی مدح میں اشعار کہے ۔ سنائی نے بیت اللہ کا حج کیا اور خراسان کے اکثر شہروں کی سیر و سیاحت کی ۔ درویشوں کے حلقوں میں گھومے اور صوفیوں سے ملاقات کی اور فیض یاب ہوئے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر کار بادشاہوں کی مدح گوئی سے کنارہ کش ہوا، گوشہ نشین بن گیا اور صوفیانہ شاعری کا آغاز کیا ۔ ایک دن قصیدہ لکھکر بہرام شاہ کے دربار میں جارہا تھا کہ فوج مہم پر روانہ ہونے سے پہلے بادشاہ کو سنا سکے راستے میں ایک بادہ خوار مجذوب سے واسطہ پڑا جس نے سنائی کی کوتاہ اندیشی اور کم فہمی کا مذاق اڑایا اور اس کی نادانی پر ایک جام نوش کیا ۔ اس مجذوب کی یہ حرکت سنائی پر اس طرح اثر انداز ہوئی کہ اس نے بادشاہوں کے دربار سے قطع تعلق کرلیا ۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بعد سنائی نے قصیدہ گوئی ختم کرلی اور زھد و تقویٰ کی زندگی بسر کی ۔(۳)

خیال کیا جاتا ہے کہ سنائی ۵۰۰ھ / ۱۱۰۷ء سے قبل بلخ میں وارد ہوا ۔ اس دور میں یہاں افراتفری کا ماحول تھا ۔ اور مایوس کن حالات میں سنائی نے اپنی تمام کوششوں سے لوگوں کو دینی اور اخلاقی نصب العین کی طرف متوجہ کرنا چاہا ۔ سنائی نے تصوف کو ذریعہ بنایا ۔

---

۱ دیوان حکیم سنائی مدرس رضوی سی و چہار بحوالہ تاریخ مجمل فصیحی خوافی ص۱۶۶ ۔ ۲۱۲ چاپی، ج ۲ ص پنجاہ و چہار

۲ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۲۱۶

۳ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال ۔ نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱، ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۵۲ ۔ ۱۵۳

سنائی نے بلخ میں " مثنوی کارنامہ بلخ " لکھی اس میں تقریباً تین سو ساٹھ اشعار ہیں ۔ سلطان محمود غزنوی کی مدح بھی اس میں شامل ہے ۔(۱)

بعض تذکروں سے ظاہر ہے کہ سنائی نے اور بھی مثنویاں لکھیں جیسے عشق نامہ عقل نامہ ، غریب نامہ ۔ سنائی کی اہم تصانیف میں حدیقۃ الحقیہ اور سر العباد بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ۔ حدیقہ سنائی کی سب سے مشہور مثنوی ہے ۔ یہ مثنوی ۵۲۵ ھ میں مکمل ہوئی ۔ اس میں گیارہ ابواب اور دس ہزار اشعار ہیں ۔ ہر باب کے اکثر مطالب ، حکایت اور مثال کے طور پر بیان کئے گئے ہیں ۔ مذکورہ مثنوی کو سنائی کا شہکار سمجھا جاتا ہے ۔ صوفیانہ مطالب ، بلاغت اور حسن سبک کے لحاظ سے یہ کتاب صوفیانہ مسائل کی کتابوں میں ایک ممتاز مقام رکھتی ہے ۔ اس تصنیف میں سنائی نے بادشاہ وقت یعنی بہرام شاہ غزنوی ۵۱۲ ۔ ۵۴۸ ھ کی مدح بھی کی ہے ۔(۲)

سنائی کا دور ایک طرف عام لوگوں کی پریشانیوں کا دور تھا مگر دوسری طرف اس دور میں بے شمار دانشور ، حکیم ، شاعر اور صوفی موجود تھے ۔ غزالی ، عمر خیام ، ابو السعید ابوالخیر ، انوری معزی اس دور کی اہم شخصیتیں تھیں ۔(۳)

سنائی کی شہرت ان کی زندگی ہی میں ہوئی ۔ انہوں نے اپنی شاعری میں تصوف کے اسرار معارف کو بیان کرکے فارسی شاعری کو ایک نیا رنگ دیا ۔ اس کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ احمد غزالی جو بلند مقام مفکر اور صوفی تھے اور سنائی کے معاصر انہوں نے اپنے شاگرد عین القضاۃ ہمدانی کو خط لکھتے وقت ان کے اشعار نقل کئے ہیں ۔ ایک دوسرے ہمعصر دانشور اور شاعر نے اس کے لئے "عیسی عصر " اور " طبیب زیرک " کے الفاظ استعمال کئے ۔ "(۴)

مولانا جلال الدین رومی نے سنائی کے بارے میں لکھا :

---

۱ اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۳۴

۲ رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۱۵۵

۳ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۵۸

۴ ایضاً

عطار روح بود و سنائی دو چشم او
ما از پے سنائی و عطار آمدیم

ایک اور جگہ مثنوی میں لکھا ہے :

ترک جوشی کردہ ام من نیم خام
از حکیم غزنوی بشنو تمام(۱)

سنائی کی تصنیف حدیقہ ہے جسے الہی' نام کہا جاتا ہے۔ رومی نے اس کتاب کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کیا ہے کہ قرآن حکیم دودھ ہے اور الہی' نام اس کا مکھن۔(۲) سنائی کا امام غزالی سے روحانی رشتہ بھی یعنی بقول جامی (نفحات الانس لاہور ۱۹۲۷ء ص ۴۱۰) سنائی کے پیر خواجہ ابو یعقوب یوسف ہمدانی تھے جو امام غزالی کے پیر حضرت ابو علی فارمدی کے مرید تھے۔(۳)

شبلی نے شعر العجم میں لکھا ہے کہ پہلی مرتب سنائی نے تصوف کے اسرار کو شاعری سے روشناس کرایا اور اخلاقی شاعری کی بنیاد ڈالی ان کے کلام کا امتیازی پہلو تشبیہ یا تمثیل کی ندرت اور جوش سر مستی ہے۔(۴)

غزل کے مقطع میں تخلص سب سے پہلے انہیں کے ہاں پایا جاتا ہے وہ واردات حقیقت کو مجاز کی زبان میں بڑی خوبی سے ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے غزل میں نیا رنگ پیدا کیا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ قصیدہ سے الگ غزل پہلے انہوں نے ہی لکھی۔(۵)

دیوان سنائی کے بارے میں ڈاکٹر شفق لکھتے ہیں :

"دیوان سنائی میں زیادہ تر اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں لوگوں کی ظاہر پرستی، ریا کاری

---

۱ مثنوی روم (ترجمہ قاضی سجاد حسین) دفتر سوم ص ۳۵۸

۲ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش، اقبال نمبر، شمارہ ۱۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۵۷

۳ دائرۃ المعارف اسلامیہ جلد ۱۱ ص ۳۱۶

۴ ایضاً ص ۳۱۷

۵ ایضاً ص ۳۱۷

بے عقلی، دوست آزاری، بے وفائی اور نامسلمانی کی برائی کی گئی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انہوں نے لوگوں کے ہاتھوں ایسی تکلیفیں اٹھائی تھیں اسی وجہ سے وہ لوگوں کو اصلاح حال، خود پرستی چھوڑنے، صفائے قلب، خدمت حق کی پیروی کے لئے حصول دانش، کسب حکمت، شہوت کشی، ترک حرص اور سلوک ایمان و عرفان حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔(۱)

دیوان سنائی میں اس بات کا یوں اظہار کیا ہے :

مکن در جسم و جان منزل کہ این دونست و آن والا
قدیم زین ہر دو بیرون نہ نہ این جاباش نہ انجا
بہر چہ از راہ دورافتی چہ کفر آنحرف و چہ ایمان
بہر چہ از دوست وامانی چہ زشت آنجا و چہ زیبا
سخن کز روی دین گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکان کز بہر حق جوئی چہ جا بلقا چہ جابلسا
ترا دنیا ہمی گوید کہ دل در ما ننبدی بہ
تو خود می پند منیوشی ازایں گویان نا گویا
گر امروز آتش شہوت بکشتی بیگمان رستی
و گر نہ تف ایں آتش تراہیزم کند فردا
چوں علت ہست خدمت کن چو دانایاں کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا !
چو علم آموختی از حرص آنگہ ترس کاندر شب
چو دزدی باچراغ آید گزیدہ تر برو کالا (۲)

علامہ اقبال نے دیگر شخصیات کی طرح حکیم سنائی کا ذکر بھی نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا قصیدے میں حکیم سنائی نے اپنے زمانے کے حالات اور

---

۱ رضازادہ شفق — تاریخ ادبیات ایران — ص ۱۵۴
۲ دیوان حکیم سنائی — مدرس رضوی — ص ۵۱

مستقبل کے لئے ایک لائحہ عمل کا ذکر کیا ہے ۔ علامہ اقبال نے بھی اس قصیدے کی پیروی میں ایک نظم لکھی ہے ۔ "افکار پریشان" کے نام سے بال جبریل میں یہ نظم موجود ہے ۔ یہ نظم علامہ نے اس وقت لکھی جب نادر شاہ افغان کی دعوت پر وہ افغانستان گئے ۔ مزار حکیم سنائی کی زیارت بھی کی اس دورے میں علامہ کے ہمراہ سر راس مسعود اور سید سلیمان ندوی بھی تھے ۔
سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں :

"علامہ نے جب غزنی میں مزار سنائی کی زیارت کی تو فرط جذبات سے زار و قطار رو پڑے اور بے خود ہو گئے ۔" (۱)

اس بات کا ذکر علامہ نے خود مثنوی پس چہ باید کرد میں کیا ہے :

درفضای مرقد او سوختم — تامتاع نالہ اندوختم

مذکورہ نظم (حکیم سنائی کے قصیدے کی پیروی) کے ابتداء ہی میں علامہ لکھتے ہیں :

اعلیٰ حضرت شہید امیر المومنین نادر شاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف و کرم سے نومبر ۱۹۳۴ء میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزار مقدس کی زیارت نصیب ہوئی یہ چند "افکار پریشان" جن میں حکیم ہی کے ایک قصیدے کی پیروی کی گئی ہے اس روز سعید کی یادگار میں سپرد قلم کئے گئے ۔

ما از پے سنائی و عطار آمدیم (۲)

علامہ اقبال نے اس نظم کا آغاز اس طرح کیا ہے :

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

اور مولانا روم کے اس شعر کو علامہ نے عنوان بنایا ہے :

ما از پے سنائی و عطار آمدیم

اس نظم کے کچھ اشعار یوں ہیں جس میں علامہ نے مسلمانوں کو مستقبل کا راستہ دکھانے کی کوشش کی ہے :

---

۱ ڈاکٹر ریاض اقبال اور فارسی شعراء ص ۶۶ بحوالہ سید سلیمان ندوی سفر افغانستان
۲ علامہ اقبال کلیات اقبال اردو ___ اعتقاد پبلشنگ ہاؤس ___ فروری ۱۹۸۱ء ۳۱۴

خودی اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جسکو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا
خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
زرہ کوئی اگر محفوظ رکھتی ہے تو استغنا
وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا
سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالا ! (۱)

اس نظم میں علامہ نے سنائی کا ایک شعر تضمین کیا ہے جو سنائی کے اس قصیدے کا ہے جس کی پیروی میں علامہ نے یہ نظم لکھی ۔ علامہ نے شعر یوں لکھا ہے :

حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے برپا
ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا (۲)

سنائی کے قصیدے میں یہ شعر اس طرح ہے

چو علمت ہست خدمت کن چو دانایاں کہ زشت آید
گرفتہ چینیاں احرام و مکی خفتہ در بطحا (۳)

مذکورہ نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ریاض لکھتے ہیں :

"اقبال نے ۲۵ شعر کی اس نظم یا غزل مسلسل میں سنائی کے قصیدے کے اشعار، قوافی اور تعبیرات کا اتباع فرمایا ہے ۔ آپ نے اسے قصیدے سنائی کے مقابلے میں مختصر رکھا ۔ نظم کے آخری بند میں دو تین نعتیہ اشعار ضمناً لکھنے کے بعد آخری شعر علامہ

---

۱ محمد اقبال ــــ کلیات اقبال (اردو) اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس فروری ۱۹۸۱ء، ص ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۸

۲ ایضا ص ۳۱۵، ۳۱۶

۳ دیوان حکیم سنائی مدرس رضوی ص ۵۱

فرماتے ہیں :

سنائی کے ادب سے میں نے غواصی نہ کی ورنہ
ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوے لالا۔"(۱)

علامہ اقبال نے حکیم سنائی کا ذکر اپنے کلام میں بہت جگھوں پر کیا ہے۔ سنائی کے متعلق پہلا حوالہ جو ہمیں ملتا ہے وہ ۱۹۲۲ء کے قریب ایک خط میں ہے جو اقبال نے پروفیسر اکبر منیر کے نام لکھا ہے اس میں فرماتے ہیں ۔(۲)

"حکیم سنائی اور مولانا روم کو زیر نظر رکھنا چاہیئے اس قسم کے لوگ اقوام و ملل کی زندگی کا اصلی راز ہیں ---- حکیم سنائی سے طرز ادا سیکھنا چاہیئے کیونکہ مطالب عالیہ ادا کرنے میں ان سے بڑھ کر کسی نے قدم نہیں رکھا۔"(۳)

علامہ اقبال کی مثنوی "اسرار خودی" جب مولانا گرامی کو ملی تو گرامی نے علامہ کو لکھا کہ یہ مثنوی پڑھکر معلوم ہوا کہ آپ حکیم سنائی ہیں جسکے جواب میں علامہ نے لکھا "اگر اقبال حکیم سنائی ہیں تو گرامی کیا ہو گا۔"(۴)

ارمغان حجاز میں بھی علامہ نے لکھا ہے :

" عطا کن صدق و اخلاص سنائی " (۵)

علامہ حکم سنائی اور مولانا رومی کا ذکر یوں کرتے ہیں :

نصیب از آتشے دارم کہ اول
سنائی از دل رومی برانگخیت

مجھے اس آگ سے حصہ ملا ہے جسے سنائی نے رومی کے دل میں پیدا کیا اور جس کے باعث اس نے مثنوی جیسی لاثانی کتاب لکھی اور یہ آگ کیا ہے یہ وہ جذبہ ہے جو اپنے ہمعصر زوال پزیر

---

۱ ڈاکٹر محمد ریاض اقبال اور فارسی شعراء ص ۶۷
۲ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۶۰
۳ اقبال نامہ جلد دوم ص ۱۶۲
۴ محمد عبداللہ قریشی مکاتیب اقبال بنام گرامی، ص ۱۴۱
۵ علامہ اقبال کلیات فارسی ص ۸۹۷

معاشرے کو دیکھکر ان کے دل میں پیدا ہوا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ قوم کو اسلام کی تعلیم کی طرف دوبارہ متوجہ کرانا چاہتے تا کہ قرآن و سنت کی رہنمائی میں وہ کھویا ہوا مقام حاصل کر سکیں ۔"(۱)

چنانچہ اقبال اس روایت کا علمبردار ہے جو حلاج، سنائی اور رومی نے قائم کی تھی (۲)

"ضرب کلیم" کی ایک نظم "اقبال" میں علامہ کہتے ہیں ۔

فردوس میں رومی سے کہتا تھا سنائی　　مشرق میں ابھی تک ہے وہی کاسہ، وہی آش

حلاج کی لیکن یہ روایت ہے کہ آخر　　اک مرد قلندر نے کیا راز خودی فاش (۳)

ارمغان حجاز میں کہتے ہیں :

چو رومی در حرم دادم اذاں من　　از و آموختم اسرار جاں من

بہ دور فتنۂ عصر کہن او　　بہ دور فتنۂ عصر رواں من (۴)

علامہ اقبال نے "مثنوی مسافر" میں بھی حکیم سنائی کا ذکر نہایت عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے ۔ غزنی میں علامہ نے حکیم سنائی کے مزار کی زیارت کی اور اس تاثیر کے نتیجے میں دو نظمیں لکھیں جن کا عنوان ہے "سفر بہ غزنی و زیارت مرزا حکیم سنائی" اور حکیم سنائی کی روح بہشت بریں سے جواب دیتی ہے ۔ یہ دونوں نظمیں "مثنوی مسافر" میں موجود ہیں ۔ پہلی مثنوی فصل پنجم اور دوسری فصل ششم میں درج ہے ۔ دونوں میں شہر غزنی اور حکیم سنائی کی عظمت کا اعتراف کیا گیا ہے ۔ اس بارے میں احسن عبدالشکور لکھتے ہیں :

"سفر افغانستان کے دوران علامہ غزنین بھی تشریف لے گئے اور حکیم سنائی کے مزار پر حاضری دی ۔ وہاں جا کر ان پر جو کیفیت طاری ہوئی اس کا احساس "مسافر" کے ان اشعار میں ہوتا ہے جو علامہ نے اس موقعہ پر کہے تھے ۔ ان اشعار میں انہوں نے نہ صرف سنائی کو ہدیہ عقیدت پیش کیا ہے بلکہ سنائی اور اپنی ذات میں گہری مماثلت کا اظہار

۱　بشیر احمد ڈار　سنائی اور اقبال　نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۶۰

۲　ایضاً

۳　محمد اقبال　(ضرب کلیم) کلیات اقبال (اردو)　ص ۵۸۱

۴　ایضاً　ارمغان حجاز　ص ۷۷

بھی کیا ہے۔" (۱)

علامہ نے حکیم سنائی کا ذکر مثنوی میں یوں کیا ہے :

خفتہ در خاکش حکیم غزنوی | از نوائے او دل مرداں قوی
آں "حکیم غیب" آں صاحب مقام | "ترک جوش" رومی از ذکرش تمام
من ز پیدا او ز پنہاں در سرود | ہر دو را سرمایہ از ذوق حضور
او نقاب از چہرہ ایمان کشود | فکر من تقدیر مومن و انمود
ہر دو را از حکمت قرآں سبق | او ز حق گوید من از مردان حق
در فضائے مرقد او سوختم | تا متاع نالہء اندوختم
مومن از افرنگیان دید آنچہ دید | فتنہ پا اندر حرم آمد پدید
"اے حکیم غیب" امام عرفان | پختہ از فیض تو خام عارفاں

آنچہ اندر پردہء غیب است گوئے

بو کہ آب رفتہ باز آید بجوے (۲)

غزنی شہر کی عظمت اور حکیم سنائی کی عظمت بیان کرتے ہوئے علامہ نے سنائی کو حکیم غیب اور فخر العارفین جیسے القاب سے نوازا ہے۔ یہ القاب دراصل سنائی کو مولانا رومی نے عطا کیئے ہیں علامہ لکھتے ہیں کہ میری نظر صرف ظاہر پر ہے اور سنائی کی نظر باطن پر ہے۔ دونوں علامہ اور سنائی کی زندگی کا سرمایہ ذوق حضور ہے۔ دونوں دیدار خداوندی کے طالب ہیں (۳) علامہ اقبال نے قوم کی بلندی کا راز سنائی کی زبانی بیان کر کے شاعرانہ عظمت کا ثبوت پیش کیا ہے۔

"سنائی کے کلام نے بقول اقبال انسان کو قیمت دلائی اور مشکل حالات کا مقابلہ کرنے کی اہلیت بخشی وہ حکیم غیب ہے اور عالم الغیب سے اسکا رابطہ گہرا ہے۔" (۴)

اس بارے میں بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں :

---

۱ احسن عبدالشکور اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ

۲ محمد اقبال کلیات اقبال فارسی حصہ . مثنوی پس چہ باید کرد و مسافر ص ۱۴

۳ یوسف سلیم چشتی شرح مثنوی پس چہ باید کرد و مسافر ص ۷۲

۴ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ص ۱۶۲

"اس ذہنی ہم آہنگی اور قلبی یگانگت کے باعث اقبال نے سنائی کی قبر پر کھڑے ہو کر مسلم ملت کی زبوں حالی بیان کرنا شروع کر دی۔ اس زبوں حالی کی وجہ صرف اور صرف افرنگی ذہنی استیلا کی وجہ سے ہے

مومن از افرنگیان دید آنچہ دید
فتنہ ہا اندر حریم آمد پدید(۱)

علامہ اقبال نے سنائی سے التجاء کی کہ اپنی قوم کو سربلندی حاصل کرنے کے لئے اسرار غیب سے آگاہ کریں۔ چنانچہ حکیم سنائی کی روح بہشت بریں سے جواب دیتی ہے۔

راز دان خیر و شر گشتم ز فقر — زندہ و صاحب نظر گشتم ز فقر
یعنی آں فقرے کہ داند راہ را — بیذ از نور خودی اللہ را
اندرون خویش جوید لاالہ — در نہ شمشیر گوید لاالہ
سلطنت اندر جہاں آب و گل — قیمت او قطرہء از خون دل
می ندانی عشق و مستی از کجاست — ایں شعاع آفتاب مصطفیٰ است
باخبر شو از رموز آب و گل — پس بزن بر آب و گل اکسیر دل (۲)

اس نظم میں سنائی نے یہ جواب دیا ہے کہ مسلمانوں کو سب سے پہلے فقر کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دلوں میں پیدا کرکے مادی دنیا سے دور رہنا چاہیئے تاکہ اصلی اور حقیقی دنیا ان کو نصیب ہوجائے اور اس لحاظ سے مستقبل روشن نظر آئے گا۔
احسن عبدالشکور لکھتے ہیں :

"شاعر نے حکیم سنائی سے دور حاضر کی ستمگری کا ذکر کرنے کے بعد ملت کی سربلندی کے لئے کسی پیغام کی خواہش کی ہے اور پھر اس مرد عارف کی زباں سے ملت کو عشق و محبت، سوز و ساز اور امید و رجائیت کے ولولہ خیز پیغام کے ساتھ ساتھ انسان کامل کا تصور پیش کیا ہے۔"(۳)

---

۱ بشیر احمد ڈار — سنائی اور اقبال — نقوش اقبال نمبر، شمارہ ۱۲۱ ص ۱۶۶
۲ علامہ اقبال — کلیات فارسی حصہ — مثنوی پس چہ باید کرد و مسافر ص ۱۵
۳ احسن عبدالشکور — اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ ـــــــ ص ۴۱۳

مذکورہ نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض لکھتے ہیں :

"اس میں عشق و معرفت فقہ اور نو آفرینی نفس و وجود کے بارے میں افکار عالیہ کو بیان فرمایا ہے۔

پشتو مردے کہ صاحب جستجواست
نغمہء را کو ہنوز اندر گلواست

معاملہ واقعی ایسا ہی ہے سنائی کے نغمہء در گلو کو سننے کے لئے اقبال ایسے صاحب جستجو مرد کی ضرورت تھی۔"(۱)

علامہ اقبال نے سنائی کی زبانی کہا ہے کہ سب سے پہلے انسان کو فقر اختیار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ فقر کی وجہ سے انسان راز دان خیر و شر بھی ہوسکتا ہے اقبال کے مطابق فقر کا مفہوم وہ صفات ہیں جو ایک صحیح مسلمان کی تعمیر میں لابدی ہیں۔ فقر اقبال کی نگاہ میں ہے "دولتی ا ورنجوی ا" نہیں بلکہ "دلیل خسروی" ہے۔(۲)

آہ کھویا گیا تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مال فقیر، سلطنت روم وشام(۳)

اسی طرح صحیح فقر وہ ہے جو راہ بین ہو اور جسکی خودی اتنی پختہ ہو کہ اس کی روشنی میں وہ ذات خداوندی کا مشاہدہ کرسکے۔(۴)

یعنی آں فقرے کہ داند راہ را   بیذ از نور خودی اللہ را
اندروں خویش جوید لا الہ   ورنہ شمشیر گویا لا الہ (۵)

علامہ اقبال فقر کے بعد سنائی کی زبانی دل کو روشن کرنے کی بات کرتے ہیں اور دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ پیدا کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

---

۱   ڈاکٹر محمد ریاض   اقبال اور فارسی شعراء   ص ۷۰۔۶۹
۲   بشیر احمد ڈار   سنائی اور اقبال   نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ص ۱۶۸
۳   بال جبریل   ص ۶۴
۴   بشیر احمد ڈار   سنائی اور اقبال   نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ص ۱۶۸
۵   علامہ اقبال   کلیات اقبال فارسی حصہ   مثنوی مسافر   ص ۱۵

می ندانی عشق و مستی از کجاست — ایں شعاع آفتاب مصطفیٰ است
با خبر شو از رموز آب گل — پس بزن بر آب و گل اکسیر دل
بو علی دانندہء آب و گل است — بے خبر از خستگھائے دل است

عشق رسول کے جذبے سے دل کو اکسیر بنایا جاسکتا ہے تاکہ جسم بھی غیر فانی بن جائے۔ حکیم بو علی سینا کا ذکر کرتے ہوئے علامہ نے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیا ہے اور اہل دل میں رہ کر دل کو منور کرنے کی تلقین کی ہے۔

"اقبال کی نگاہ میں آب و گل کا فتنہ مغرب کی مادہ پرستانہ فکر کی پیداوار ہے۔ مادیت قدیم ہو یا جدید، میکانکی ہو یا جدلیاتی دونوں خدا اور آخرت، اخلاق اور روحانیت کے اعلیٰ اقدار سے محروم ہونے کے باعث زندگی میں انتشار بے راہ روی، ذہنی پریشانی اور کج فہمی پیدا کرتی ہے۔ قومیت اور زمین پیوستگی، اشتراکیت و ملوکیت و سرمایہ داری سبھی اس فتنے کی پیداوار ہیں۔"(۱)

یہی وجہ ہے عشق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر زور دیا گیا ہے اور اس علم کی تلقین کی گئی ہے جو دل کو ہمیشہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زندہ رکھ سکے۔ انسانی زندگی (مادہ) کی پرداخت بھی ضروری ہے۔ یہ اس کے ارتقائی مدارج کی ابتدائی منزل ہے جسکے بغیر اسکی روحانی ترقی ناقص رہ جاتی ہے۔ انسان کو دنیا کے ساتھ ساتھ دل کی دنیا کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ مولانا رومی کہتے ہیں :

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

حکیم سنائی کی زبانی مسلمانوں کی درماندگی کو دور کرنے کے لئے اقبال نے جو پیغام دیا ہے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں :

"اس کا لب لباب گویا یہ ہے کہ راہ حق پر پورے علم الیقین سے گامزن ہو جائے اور راستے کی مشکلات کو عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے دور کیا جائے اس اسلامی نظام حیات کو محض احساس کمتری کے باعث ترک کرنا کسی طرح بھی

---

۱ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ___ ص ۱۶۷

مناسب نہیں ۔ ہمیں چاہیئے کہ پورے عزم و حوصلہ اور مستقبل پر پورے یقین کے ساتھ اس کو اپنایا جائے معذرت خواہانہ رویہ ترک کرکے پورے اطمینان قلب سے اس کو اختیار کرنا چاہیئے

ع پردہ بگذار' آشکارا ے گزیں" (۱)

علامہ اقبال نے اس پیغام کے آخر میں سنائی کی زبانی عالم غیب سے مستقبل کا ایک پر امید نقشہ یوں کھینچا ہے:

"میں نے کل فطرت کائنات، کو دیکھا جس کی آنکھوں کے سامنے ظاہر کے تمام پردے ختم ہوجاتے ہیں دیکھا کہ وہ آب و خاک کے آمیزے میں کچھ تلاش کررہی ہے شاید کوئی انوکھی اور تازہ شبیہ کی تعمیر کے لئے کوشاں ہے میں نے اس سے سوال کیا کہ وہ کس کی تلاش میں ہے ۔اس نے جواب دیا کہ خدا کا حکم صادر ہوا ہے کہ ایک نئے آدم کی تخلیق کی جائے مگر اس پرانی مٹی سے ـــــ چنانچہ میں نے دیکھا ـــ حکیم سنائی اقبال کو بیان کررہے ہیں کہ اس نے مٹی کے ایک معمولی ٹکڑے کو کئی طرح سے آزمایا۔ اسے پے بہ پے گرم کیا تو لا اور پھر گرم کیا۔ آخر میں اس ٹکڑے کو لالہ کا آب و رنگ بخشا اور اس کے ضمیر میں لالہ کا رنگ بویا۔ اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر کہا :

باش تا بینی بہار دیگرے
از بہار باستان رنگیں ترے

تم مسلمانوں کی موجودہ پستی سے پریشان ہو مگر اطمینان رکھو کہ حیات نے اس خاکی انسان سے ایک نئے مسلمان کی تعمیر کا عزم کر رکھا ہے اور بہت جلد ہی وہ ایسی شان و شکوہ، عظمت و جلال سے پردہء کائنات پر نمودار ہوگا۔(۲) مسلمان کی عظمت لوٹ آئے گی ۔ حالات ساز گار نظر آتے ہیں اور اب مسلمانوں کی کامیابی یقینی ہے :

لالہ را در وادی و کوہ دمن   از دمیدن باز نتوان داشتن

---

۱ بشیر احمد ڈار سنائی اور اقبال نقوش اقبال نمبر شمارہ ۱۲۱ ستمبر ۱۹۷۷ء ص ۱۷۳

۲ ایضاً ص ۱۷۴

علامہ اقبال اور شیخ سعدی شیرازی

شیخ سعدی کا نام مصلح الدین بن عبداللہ شیرازی تھا۔ وہ ایران کی ایک مشہور و معروف شخصیت گزری ہے۔ انہوں نے فارسی نظم و نثر میں کافی شہرت حاصل کی۔ انہوں نے فارسی زبان کو فصاحت کے درجۂ کمال پر پہنچایا اور بلاغت کا بہترین نمونہ پیش کیا اپنے اس شعر کے مطابق

ہفت کشور نمی کنند امروز   بے مقالات سعد انجمنی

ہر زمانہ میں مقبول اہل ذوق و ادب رہا۔

بوستان کے ایک شعر کے مطابق جو سعدی نے ۶۵۵ میں تصنیف کیا اور کہا ہے

الا اے کہ عمرت بہ ہفتاد رفت   مگر خفتہ بودی کہ بر باد رفت

(ایسی صورت میں کہ یہ شعر انہوں نے اپنے آپ سے خطاب کر کے کہا) وہ ۵۷۵ میں پیدا ہوئے ہوں گے ایک اور شعر کے مطابق جو گلستان میں آیا ہے

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی   مگر ایں پنج روزہ دریابی

گلستان کی تالیف کے وقت یعنی ۶۵۶ میں اپنے آپ کو خطاب کر کے کہا ہے تو ان کی تاریخ ولادت ۶۰۶ھ کے لگ بھگ آتی ہے۔۔۔۔۔ پس ان کی ولادت ۶۰۶ کے لگ بھگ ہوئی ہو گی جیسا کہ پنجاہ رفت و در خوابی والے شعر سے ظاہر ہے اور یہی سنہ درست معلوم ہوتا ہے۔(۱)

دائرۃ المعارف اسلامیہ میں لکھا ہے :

"مصلح الدین تقریباً ۵۸۰ھ / ۱۱۸۴ء میں بمقام شیراز پیدا ہوئے اور بقول (ETHE) اتابک فارس سعد بن زنگی نے خود انہیں اپنی تربیت میں لے لیا جو ۱۱۹۵ء میں تخت نشین ہوا تھا۔ اظہار احسان مند کے طور پر انہوں نے اس کے نام کی نسبت اپنا تخلص سعدی لکھا۔ سعدی نے ذوالقعدہ ۶۹۱ / ستمبر ۱۲۹۲ء میں شیراز میں وفات پائی۔

---

۱ رضا زادہ شفق   تاریخ ادبیات ایران ص ۳۲۱

[ان کا مزار (سعدیہ) شہر کے مشرقی جانب ہے جسے پہلوی دور میں ازسرنو تعمیر کرایا گیا] (۱)

کلیات سعدی میں محمد علی فروغی لکھتے ہیں :

"شیخ سعدی خانوداش از عالمان دین بوده اند و در سالهای اول سدہء ہشتم ہجری در شیراز متولد شده و در جوانی بغداد رفته و در آنجا در مدرسہ نظامیہ و حوزه ھای دیگر درس و بحث بہ تکمیل علوم دینی و ادبی پرداختہ و در عراق و شام و حجاز مسافرت کرده و حج گزارد ------

در سال ششصد و پنجاه و پنج ہجری کتاب معروف بوستان را بنظم آورده و در سال بعد گلستان را تصنیف نموده ۔(۲)

شیخ سعدی اوئل جوانی ہی میں یتیم ہو گئے اور سر سے باپ کا سایہ اٹھ گیا ۔ کہتے ہیں :

مراباشد از حال طفلان خبر | کہ در طفلی از سر برفتم پدر
من آنگہ سر تاجور داشتم | کہ سر در کنار پدر داشتم

سعدی کے اجداد اہل دانش تھے اور علوم دینی میں شہرت رکھتے تھے خود فرماتے ہیں

ہمہ قبلہء من عالمان دین بودند | مرا معلم عشق تو شاعری آموخت (۳)

ابتدائی تعلیم شیراز میں حاصل کی ۔ پھر بغداد چلے گئے اور وہاں مدرسہ نظامیہ پہنچے ۔ ۴۰ سال مسافرت میں گزارے ۔ بغداد شاہ مکہ سے لیکر شمالی افریقہ تک گھومے مختلف شہر اور مختلف مذاہب فرقوں سے واقف ہوئے اور مختلف علوم سے فیض یاب بھی ہوئے ۔ اپنی مسافرت کی طرف اشارہ یوں کرتے ہیں :

ندانی کہ من در اقالیم غربت | چرا روز گاری بکردم درنگی

طویل مسافرت کے بعد آپ شیراز واپس لوٹ آئے ۔ اس زمانے میں یہاں سعدی کا ممدوح اور سرپرست اتابک ابو بکر بن سعد زنگی (۶۲۳ ۔ ۶۶۸) حکومت کرتا تھا ۔ اور ہر طرف امن و امان قائم ہو گیا تھا ۔

۱	اردو دائرۃ المعارف اسلامیہ	جلد ۱۱	ص ۴۶
۲	محمد علی فروغی	کلیات سعدی	ص چہار
۳	رضا زادہ شفق	تاریخ ادبیات ایران	ص ۲۳۲

چو باز آمدم کشور آسودہ دیدم ‏ ‏ پلنگان رہا کردہ خوی پلنگی
چناں بود در عہد اول کہ دیدی ‏ ‏ جہانی پر آشوب و تشویش و تنگی
چنیں شد در ایام سلطان عادل ‏ ‏ اتابک ابو بکر بن سعد زنگی

اسی زمانے میں شاعر کو فراغت نصیب ہوئی اور تصنیف و تالیف کا خیال آیا۔ اپنے نغموں اپنے کلام کو جمع کیا۔ بوستان اور گلستان لکھی اور اپنے اشعار و قطعات کو مرتب کیا۔ سعدی ان خوش نصیب شاعرون میں تھے جنھوں نے اپنی زندگی میں بلکہ ابتدائی جوانی ہی میں اپنی شہرت کا غلغلہ سنا اور ان کی یہ ناموری اتابک ابو بکر کے زمانے میں کمال کو پہنچی۔ بوستان میں کہتے ہیں

کہ سعدی کہ گوئی بلاغت ربود ‏ ‏ در ایام ابو بکر بن سعد بود (۱)

شیخ سعدی نے اسی زمانے یعنی ۶۵۵ میں بوستان نظم کی

ز ششصد فزون بود پنجاہ و پنج ‏ ‏ کہ من گفتم ایں نامبردار گنج

اس کے ایک سال بعد گلستان تصنیف کی

در آں مدت کہ مارا وقت خوش بود ‏ ‏ زہجرت شش صد و پنجاہ و پنج

ان تصانیف کے علاوہ سعدی کی کلیات میں قصائد، غزلیات، قطعات، ترجیع بند، رباعیات مقالات اور عربی قصائد بھی ہیں۔

"اس عظیم المرتبت شاعر کی وفات ۶۹۱ - ۶۹۴ کے درمیان سالوں میں خود ان کے وطن شیراز میں ہوئی اور وہ اسی شہر میں دفن ہوئے۔" (۲)

سعدی شیرازی نے مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی اور ہر ایک صنف میں خوب عہدہ بر آہوئے ہیں۔ ان کا موضوع خدا کی حمد و ثنا، پند و نصیحت، مرثیہ اور مدح ہے۔ سعدی نے غزل میں بھی کمال حاصل کیا۔

سعدی کی نثر بھی شیریں اور روان ہے۔ سعدی سے پہلے کسی نے ایسی نثر نہ لکھی۔ ان کی نثر کا نمونہ گلستان ہے۔ گلستان آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ گلستان کو ایرانی ادبیات کا گل سرسبد (۳) کہا جاتا ہے۔ پوری کتاب اجتماعی، اخلاقی اور تربیت کے بہترین نکات سے مملو ہے

---

۱ ‏ رضا زادہ شفق ‏ تاریخ ادبیات ایران ص ۲۳۲

۲-۳ ‏ ایضاً ‏ ص ۲۳۴، ۲۴۱

عالمی ادب میں اسی کتاب کو بلند ترین مقام حاصل ہے۔

"بوستان" بھی شیخ سعدی کی اہم تصنیف ہے۔ اس کتاب سے سعدی کی اخلاقی مثنوی میں کمال اور مہارت عیاں ہے۔ اسی کتاب ایسے حقائق جو کافی سودمند اور اہم ہیں۔ حکایتوں کے پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ یہ دس ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول عدل اور تدبیر و رائے پر باب دوم احسان کی فضیلت پر۔ باب سوم عشق مستی و شور پر ہے۔ چہارم تواضع پنجم فضیلت پر ششم قناعت پر اور ہفتم تربیت ہستی ہشتم شکریہ عافیت، نہم توبہ و صواب دہم مناجات پر ہے۔ شیخ سعدی کی شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر شفق لکھتے ہیں :

"استاد سعدی شیرازی کے آثار خواہ نظم میں خواہ نثر میں ایسے افکار اور عقائد کے مظہر ہیں۔ جو ان کی ایک عمر کے تجربہ، غور و فکر، آفاق و الںفس کے مطالعہ سیر و سفر، مختلف قوموں اور ملتوں سے ملنے اور تاریخی واقعات کے مشاہدے حاصل ہوئے ہیں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں

در اقصای عالم بگشتم بسی	بسر بردم ایام باہر کسی
تمتع زہر گوشۂ یافتم	زہر خرمنی خوشۂ یافتم

ایسے ہی گراں بہا تجربوں کو سعدی نے نہایت موزوں اور دلکش عبارت میں نہایت برجستہ حکایات و امثال اور اشعار کے پیرائے میں بیان کر دیا ہے اور اس طرح بیان کیا ہے کہ اس سے بہترین اخلاقی اور اجتماعی اصولوں کا ایک نفیس مجموعہ اور بہترین ادبی فارسی کا ایک ایسا نمونہ عالم وجود میں آیا ہے جس کا مطالعہ بدون تردید۔

متعلمان را بکار آید و مترسلان را بلاغت افزاید(۱)

علامہ اقبال نے اپنے کلام نظم و نثر میں شیخ سعدی کا ذکر نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے۔ جہاں تک علامہ اقبال کے نثر کا سوال ہے اس میں سعدی شیرازی کا ذکر دو واقعات میں ملتا ہے۔ ایک واقعہ میں سعدی شیرازی کی ہجو گوئی (جو کشمیریوں سے منسوب ہے) کا ذکر ملتا ہے۔ علامہ اقبال نے کشمیر اور کشمیریوں کا ذکر بہت سی نظموں میں کیا ہے (خاصکر ساقی نامہ میں) مگر کچھ لوگوں کو علامہ اقبال کا کشمیریوں کے مطلق یہ نظریہ پسند نہ آیا اور علامہ

---

۱ رضازادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۲۴۹

پر الزام لگایا کہ علامہ نے ان نظموں خاصکر "ساقی نامہ" (پیام مشرق) میں کشمیریوں کو تنقید کا نشانہ بنا کر ملامت کی ہے۔اس شکایت کے پیش نظر علامہ نے ۲۶ مئی ۱۹۲۳ء کے ایک خط میں میر خورشید احمد صاحب (۱) کو لکھا :

"ساقی نامہ و کشمیر سے متعلق بعض لوگوں کا گلا سن کر مجھے تعجب ہوا۔ سعدی نے محض قومی رقابت سے کشمیریوں کی ہجو کی ہو گی کیونکہ ایک زمانہ میں کشمیر ایران کا ہمسر رہ چکا ہے۔ میں نے تو دکھڑا رویا ہے -------- دکھڑے کی بنا بھی واقعات پر ہے جن کا میں نے کشمیر میں خود مشاہدہ کیا۔ پنجاب کے کشامرہ کی حالت کشمیر کے کشامرہ سے بدرجہا بہتر ہے۔ نظم کا موضوع کشامرہء کشمیر ہے نہ کشامرہء پنجاب ... .۔" (۲)

علامہ اقبال نے شیخ سعدی کا ذکر ایک اور جگہ کیا ہے :

"۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کو علامہ نے کشمیری بازار لاہور میں ایک بصیرت افروز تقریر کی اور ضمناً شیخ سعدی کی ایک حکایت کی طرف اشارہ کیا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر سے شکایت کی کہ محلے کا دکاندار گراں فروش ہے اور انہیں چاہیئے کہ آٹا بازار سے لایا کریں شوہر نے جواب دیا عزیز تراز جانم، محلے کا یہ دکاندار بھی تو ہمارے رحم و کرم پر ہے اگر ہم اس سے آٹا نہ خریدیں گے تو چارے کا گزارہ کیسے چلے گا" (۳)

یہ حکایت سعدی کے اسلوب فکر و بیان سے کوئی مغائرت نہیں رکھتی۔ مگر شیخ کے تصانیف میں ملتی نہیں۔ (۴)

علامہ اقبال نے شیخ سعدی کا ذکر اپنی شاعری میں بھی کیا ہے۔ "بانگ درا" کی نظم "فردوس میں ایک مکالمہ" میں شیخ سعدی" اور "مولانا حالی" جیسی عظیم المرتبت شخصیات کو ایک ساتھ جنت الفردوس میں یوں پیش کیا ہے۔

---

۱ متحدہ ہندوستان کے شعبہ وزارت خارجہ کے ایک آفیسر

۲ بشیر احمد ڈار انوار اقبال (مرتب) ص ۱۵۱ - ۱۵۲

۳ گفتار اقبال مرتبہ محمد رفیق افضل ص ۱۴۶

۴ محمد ریاض اقبال اور سعدی اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ ___ جلد ۱۱ ___ ص ۲۸

ہاتف نے مجھ سے کہا فردوس میں اک روز
حالی سے مخاطب ہوئے سعدی شیراز
اے آنکہ ز نور گہر نظم فلک تاب
دامن بچراغ مہ واختر زدہ باز !
کچھ کیفیت مسلم ہندی تو بیاں کر
واماندہ منزل ہے کہ مصروف تگ و تاز؟
مذہب کی حرارت بھی ہی کچھ اسکی رگوں میں
تھی جس کی فلک سوز کبھی گرمئ آواز ؟
باتوں سے ہوا شیخ کی حالی متاثر
رو رو کے لگا کہنے کہ اے صاحب اعجاز ؟
جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا
آئی یہ صدا پاؤ گے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل
دنیا تو ملی ، طائر دیں کر گیا پرواز
دیں ہو تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی
فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر ، زمیں تاز
مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی
دیں زخمہ ہے جمعیت ملت ہے اگر ساز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی
ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز
پانی نہ ملا زمزم ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز
یہ ذکر حضور شہ یثرب میں نہ کرنا
سمجھیں نہ کہیں ہند کے مسلم مجھے غماز

"خر ماتتواں یافت اذاں خار کہ کشتیم
دیبا نتوان یافت اذاں پشتم کہ رشتیم"

سعدی (۱)

اس نظم میں علامہ اقبال نے شیخ سعدی کے اس شعر کو آخر پر تضمین کیا ہے۔

خر ما نتوان یافت اذان خار کہ کشتیم
دیبا نتواں یافت اذاں پشتم کہ رشتیم

یعنی قوم نے دنیاوی مقاصد کے لیئے تعلیم حاصل کی ہے اور قوم آخرت کو بھول گئی ہے اصل بات یہ ہے کہ ہم نے جو کانٹے بوئے ہیں ان سے کھجوریں نکل نہیں سکتی اور جو اون کاٹنے گئے ہیں ان سے مخمل حاصل نہیں ہوسکتی۔ یعنی تعلیم نصاب کا ثمرہ یہی ہے اس سے دنیا تو مل سکتی ہے مگر آخرت نہیں۔

اس نظم میں حالی اور سعدی کو علامہ نے اس لئے پیش کیا ہے کہ دونوں نے قوم کی سربلندی کے لئے خاص کام کئے ہیں۔ سعدی نے گلستان اور بوستان میں اور حالی نے "مسدس" کے ذریعہ قوم کو اصلاح کا پیغام دیا۔ دونوں نے قوم کو صحیح تعلیم دی اور بلند د مقام حاصل کرلیا۔ اس بارے میں ڈاکٹر ریاض لکھتے ہیں :

"سعدی اور حالی کی یہ ملاقات دونوں کی شخصیت کے ایک معنوی ربط کی غماز ہے۔ حالی کو بعض نقاد نے "سعدی ہند" لکھا ہے۔ حالی کو سعدی سے جو معنوی مناسبت تھی اسے ان کی پہلی سوانحی کتاب "حیات سعدی" مولفہ ۱۸۸۴ء اور مطبوعہ ۱۸۸۶ء میں دیکھا جاسکتا ہے۔ یہ کتاب فارسی میں ترجمہ ہو کر تہران میں چھپ گئی اور خاصی متداول ہے۔ حالی کے "مقدمہ شعر و شاعری" اور ان کی اخلاقی و اصلاحی شاعری میں بھی شیخ سعدی کی تاثیر دیکھی جاسکتی ہے۔" (۲)

سید عبداللہ نے اس بارے میں لکھا ہے :

"حالی اور سعدی دونون جامع نظم و نثر تھے۔ دونوں شاعری اور نثر نگاری میں ایک

---

۱ کلیات اقبال (اردو) حصہ (بانگ درا) اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس ۱۹۸۱ء ص ۲۴۵

۲ محمد ریاض اقبال اور سعدی اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ء ___ جلد ۱۱ ___ ص ۳۱

طرز نو کے موجد تھے ۔ دونوں صنعت، تکلف، مبالغہ اور اغراق سے متنفر تھے ۔۔۔۔۔۔۔
حالی نے سعدی میں اپنے آپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی اور کوئی تعجب نہیں
کہ ان کے بہت سے اصلاحی خیالات سعدی کے رہین منت ہوں ۔" (۱)
اس کے علاوہ بھی "مقدمہ شعر و شاعری" میں حالی نے سعدی کو فارسی شاعری کا ہومر
لکھا ہے (۲)

علامہ اقبال کی دور رس اور تیز بین نگاہیں شیخ علیہ الرحمہ کے فکر و فن پر شروع سے آخر تک جمی رہیں ۔ مسلمان گھرانوں کی متداول روایات کے مطابق اقبال نے بہت ابتداء ہی میں سعدی کی تصانیف پڑھی ہوں گی ۔ ۱۹۲۷ء میں علامہ نے میٹریکولیشن (Matriculation) کے امتحان کی خاطر فارسی نثر و نظم کا ایک حسین انتخاب "آئینہ عجم" کے نام سے مرتب فرمایا تھا اس میں سعدی کی نثر و نظم کا جو حصہ انہوں نے منتخب کیا، وہ کلام سعدی کے بہت دقیق اور ناقدانہ مطالعہ کا مظہر ہے ۔ آپ نے سعدی کے متعدد اشعار کو تضمین کیا ہے اور کہیں کہیں شیخ کے مطالب و افکار کو بہ انداز دیگر پیش کیا ہے ۔ (۳)

"بانگ درا نظم "مرزا غالب" [illegible] میں علامہ اقبال نے سعدی شیرازی کو "گل شیراز" اور اسی کتاب کی نظم "داغ" میں دو جگہوں پر "بلبل شیراز" کے القاب سے یاد کیا ہے

شاہد مضمون تصدق ہیں تیرے انداز پر
خندہ زن ہے غنچہء دلی گل شیراز پر
اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبل شیراز بھی
سینکڑوں ساحر بھی ہوں گے صاحب اعجاز بھی
نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر (۴)

---

۱ سید عبداللہ سر سید احمد خان اور ان کے نامور رفقاء ص ۱۰۰ ۔ ۹۹
۲ مولانا حالی مقدمہ شعر و شاعری ص ۱۵۵
۳ محمد ریاض اقبال اور سعدی اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ء جلد ۱۱ ص ۲۹
۴ بانگ درا مشمولہ کلیات اقبال اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس ۱۹۸۱ء ص ۹۰ ۔ ۹۱

علامہ اقبال نے " پیام مشرق" میں ایک نظم " قطرہ آب " لکھی ہے اسمیں سعدی کے ایک قطعے کے بعض اشعار کو تضمین کر کے اپنے اضافات اور افادات کے ذریعے اسے تازہ معنی دئے ہیں۔ سعدی کا یہ قطعہ بوستان کے باب چہارم " تواضع " کے ابتدائی اشعار پر مشتمل ہے ۔شیخ نے اپنے " باب " کے عنوان کے مطابق تواضع، فروتنی اور خاکساری کا درس دیا ہے مگر اس قطعے کے ابتدائی اشعار سے نفی خودی اور فنائے ذات کے مطالب بھی متسفاد ہو سکتے ہیں۔ علامہ نے اسی خاطر انہیں معنی تازہ دئے ہیں۔" (۱)

سعدی کا شعر یہ ہے :

یکی قطرہ باران ابری چکید   خجل شد چو پہنای دریا بدید

کہ جائے کہ دریاست من کیستم   گر او ہست حقا کہ من نیستم (۲)

علامہ نے اس نظم کی ابتداء اس شعر سے کی ہے :

مرا معنئی ز تازہء مدعا است

اگر گفتہ را باز گویم رواست

اس کے بعد کچھ اشعار یوں ہیں :

ولیکن ز دریا بر آمد خروش

ز شرم تنک مائگی روپوش

تماشائے شام و سحر دیدہ

چمن دیدہء دشت و در دیدہ

گہر شو در آغوش قلزم پزی

فروزان تراز ماہ وانجم بزی (۳)

علامہ اقبال نے " نظم طیارہ " " پیام مشرق " (صفحہ ۱۶۲ - ۱۶۳) میں شیخ سعدی کے ایک شعر کو تضمین کیا ہے :

---

۱ محمد ریاض اقبال اور سعدی اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ء جلد ۱۱ ص ۳۲

۲ محمد علی فروغی کلیات سعدی در باب تواضع ص ۳۰۹

۳ محمد اقبال کلیات اقبال فارسی حصہ پیام مشرق ــــ ص ۲۲۷

تو کار زمیں را نکو ساختی   کہ با آسمان نیز پرداختی

نظم " ذوق شوق " کے ابتداء میں بھی شیخ سعدی کا یہ شعر ملتا ہے ۔

دریغ آمدم زاں ہمہ "بوستان"   تہی دست رفتن سوئے دوستان

لفظ بوستان میں صفت ایہام کارفرما ہے یعنی مثنوی بوستان کی طرف اشارہ ہے اور خود باغ و بوستان بھی مراد ہوسکتا ہے جہاں سے احباب کی خاطر اثمار کے تحفے لائے جاتے ہیں یہ شعر بوستان کی اکثر اشاعتوں کا سرورق بنتا رہا ۔(۱)

علامہ اقبال نے " ساقی نامہ " میں بھی شیخ سعدی کا یہ شعر درج کیا ہے :

اگر یک سرموی بر تر پرم   فروغ تجلی بسوزد پرم (۲)

علامہ نے " سر راس مسعود " پر جو نظم " ارمغان حجاز " میں لکھی ہے اسمیں شیخ سعدی کا یہ شعر تضمین کیا گیا ہے :

دلی کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است

اسی طرح نظم "دریوزہ خلافت" میں جو "بانگ درا" میں موجود ہے سعدی کا یہ شعر تضمین شدہ ملتا ہے :

مرا از شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگران خواستن مومیائی

اس کے علاوہ علامہ اقبال نے سعدی کے کچھ جملوں یا شعروں کو بالفاظ دیگر پیش کر دیا ہے ۔

سعدی :   تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نپیچد ز حکم تو ہیچ

اقبال :   تا توانی گردن از حکمش مپیچ
تا نہ پیچد گردن از حکم تو ہیچ

سعدی " زمانہ اگر با تو نسازد ، تو با زمانہ بساز (گلستان)

---

۱   محمد ریاض   اقبال اور سعدی ، اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ء جلد ۱۱ ص ۳۳

۲   کلیات سعدی   (ستایش بغرض) محمد علی فروغی   ص ۲۲۱

اقبال : حدیث بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز   زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

سعدی : بزرگی بہ عقل است نہ سال (گلستان، باب اول)

اقبال : سخنگو طفلک و برناو پیر است

سخن را سالی و ماہی نباشد

شیخ سعدی کا ایک قطعہ ہے :

بنی آدم اعضای یک دیگر ند   کہ در آفرینش زیک جوہر ند

اگر عضوی درد آورد روز گار   دگر عضو ھا را نماند قرار

تو کز محنت دیگراں بی غمی   نشاید کہ قامت نہند آدمی

اقبال نے "جاوید نامہ" میں کیا ہے :

آدمیت احترام آدمی   باخبر شو از مقام آدمی

آدمی را ربط و ضبط تن تن   بہ طریق دوستی گامی بزن

اقبال نے خطاب بہ جوانان عجم میں فرمایا تھا :

فکر رنگینم کند نذر تہی دستان شما   پارہ لعلی کہ دارم از بدخشاں شما

اور ایک لعل پارہ یقیناً سعدی ہے شیخ کی تصانیف نے اقبال کے کلام کی ظاہری رعنائی پر خاص اثر ڈالا ہے ۔ رہے علامہ کے افکار تو اس بارے میں یہی سہی ہے کہ

ہیچکس رازی کہ من گویم نگفت   ہمچو فکر من در معنی نسفت

سر عیش جاودان خواہی ؟ بیا   ہم زمین، ہم آسمان خواہی بیا

ان سطور کی روشنی میں اقبال شناسی گی خاطر مطالعہ سعدی کی اہمیت واضح ہے ۔ (۱)

---

۱ محمد ریاض   اقبال اور سعدی   اقبال ریویو جولائی ۱۹۷۰ء جلد ۱۱ ص ۴۵

علامہ اقبال اور مولانا جلال الدین رومی

ایران کے سب سے بڑے صوفی شاعر مولانا جلال الدین فرزند سلطان العلماء بہاؤالدین محمد بن حسین الخطیبی ۶۰۴ھ میں بمقام بلخ پیدا ہوئے۔ بلخ ایک عرصہ دراز سے ایرانی ادبیات نعت اور عقائد کے مراکز میں شمار کیا جاتا تھا۔ آپ کے والد محمد بن حسین ملقب بہ بہاؤالدین ولد حسب روایت علاء الدین خوارزم شاہ کے داماد تھے، اپنے زمانے میں بڑے عارفوں اور علماء میں شمار ہوتے تھے اور شیخ نجم الدین کبریٰ کے خلیفہ تھے خوارزم شاہ کے پاس آپ کو بڑا تقرب حاصل تھا، لیکن کہتے ہیں کہ آپ کے مواعظ، شہرت اور اثر و نفوذ کی وجہ سے وہ آپ کا دشمن ہوگیا۔ تصوف کے مخالف بھی آپ کو تکلیف دینے لگے اور بلخ کے باشندے بھی آپ کے درپے آزار ہوگئے۔ مجبوراً آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا اور اپنے صاحبزادے جلال الدین کے ساتھ بغداد کے راستے حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مولانا کے صاحبزادے سلطان ولد کی تصنیف کی ہوئی مثنوی کے بعض اشعار کی رو سے یہ سفر فتنہ مغول کے ظہور کے وقت اختیار کیا گیا ہو۔ اس لحاظ سے اس وقت مولانا جلال الدین کی عمر چودہ سال کے لگ بھگ ہو گی۔

کہتے ہیں کہ مولانا بہاؤالدین نے نیشاپور میں شیخ فریدالدین عطار کی بھی زیارت کی اور انہوں نے جلال الدین کو اپنے سینے سے لگایا، دعا دی اور انہیں مثنوی اسرار نامہ تحفتاً عطا کی۔ (۱) پھر آپ بغداد گئے اور حج و زیارت کرنے کے بعد ملاطیہ پہنچے اور اس شہر میں چار سال قیام کیا۔ اس کے بعد سلطان علاؤالدین کیقباد (۶۱۷ - ۶۳۴ھ) کی دعوت پر اس کے پایہ تخت قونیہ پہنچے (۲) اور وہاں سلطان العلماء بہاؤالدین جو علوم ظاہری و باطنی میں بلند مقام رکھتے تھے درس و تدریس ارشاد و تلقین میں مصروف ہوگئے۔ علاؤالدین کیقباد آپ سے بے حد عقیدت

---

۱ ڈاکٹر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۳۵۵

۲ ایضاً ص ۳۵۶

رکھتا تھا۔ شیخ بہاءالدین نے جمعہ کے روز ۱۸ ربیع الثانی ۶۲۸ھ (۱۲۳۱ء) کو وفات پائی۔ (۱)

مولانا جلال الدین نے ابتدائی تعلیم و تربیت اور ارشاد و ہدایت کی تعلیم اپنے والد ہی سے حاصل کی۔ ان کی وفات کے ایک سال بعد (جو ۶۲۸ میں واقع ہوئی) سید برہان الدین محقق ترمذی جو بہاءالدین ولد کے شاگرد تھے اور زمرۂ خواص اور اولیاء اہل طریقت میں شمار کئے جاتے ہیں۔ قونیہ آئے۔ جلال الدین نے ان کی مجالس درس سے کسب فیض کیا اور پورے نوسال تک اس مرد عارف کے ارشاد کے تحت زندگی بسر کی۔ اس کے بعد سیاحت اخذ معرفت اور اصحاب طریقت کا فیض صحبت اٹھانے کے لئے شام کا سفر اختیار کیا۔ عرصے تک حلب اور دمشق میں اقامت گزین رہے۔ مقامات بلند حاصل کئے اورمعنوی تجارت اورعلمی اکتسابات کی منزلیں طے کرنے کے بعد قونیہ لوٹے یہاں آپ سلطان کے حکم پر اپنے والد کی طرح علوم شرعی کی تعلیم و تدریس میں مشغول ہوگئے اسی طرح کہ وہ اپنے اس مبارک کام میں مشغول تھے کہ گردش روزگار سے ایک روز ایک اوتاد زمانہ اورنوادر دوران سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ اس ملاقات نے مولانا جلال الدین کی زندگی پر بڑا گہرا اثر ڈالا یہ شمس الدین بن علی بن ملک داد تبریزی کی ذات تھی جو اپنے وقت کے صوفی پیرون میں ایک مجذوب پیر تھے اور اپنے سانس میں گرمی، اپنی ذات میں ایک زبردست کشش اور اپنے بیان میں غیر معمولی اثر رکھتے تھے

ایک شہر سے دوسرے شہر تک راہ پیمائی کرتے۔ درویشوں، عارفوں اور صاحبان راز سے انس و محبت رکھتے تھے تا آں کہ ۶۴۲ کا سال ہوگا کہ آپ جلال الدین کی تلاش میں قونیہ تشریف لائے ایک ہی نظر میں جلال الدین کے دل میں عشق و حقیقت کا شعلہ بھڑکا اور انھیں اپنا معنوی شیفتہ بنالیا اور وہ آخر عمر تک ان کے روحانی پیشوا اور مرشد بن گئے۔ (۲)

مولانا جلال الدین رومی نے اپنے مرشد سے متاثر ہونے کے بعد ایک بلند مقام حاصل کرلیا۔ تصوف کے علاوہ آپ نے نثر اور نظم میں بھی کمال حاصل کیا۔ مثنوی معنوی جلال الدین کے افکار کا گراں بہا ثمرہ اور ان کے اشعار کا بہترین مجموعہ ہے بلکہ یہ فارسی زبان میں تصوف کا مکمل ترین دیوان ہے اس میں چھ دفتر ہیں اور اشعار کی تعداد چھبیس ہزار ہے

---

۱ ڈاکٹر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۲۵۶

۲ ایضاً ص ۲۵۷ - ۲۵۸

جو بحر رمل میں کہے گئے ہیں ۔(۱)

مثنوی کے علاوہ مولانا کی اہم تصانیف میں غزلیات کا مجموعہ جو دیوان شمس تبریزی کے نام سے جمع کیا گیا ہے ۔(۲)

مثنوی اور دیوان کے سوا مولانا کی ایک کتاب نثر میں فیہ مافیہ کے نام سے بھی موجود ہے ۔ یہ مولانا نے اقوال کا مجموعہ ہے ۔

مولانا نے ۶۷۲ھ میں قونیہ میں ہی وفات پائی اور اپنے والد کے اس مقبرے میں دفن ہوئے جو بادشاہ وقت کے حکم سے تیار کیا گیا تھا ۔(۳)

مولانا شبلی سوانح مولانا روم میں لکھتے ہیں :

آخر ۵ جمادی الثانی ۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) بروز یکشنبہ غروب آفتاب کے وقت آپ واصل الی اللہ ہوئے ۔ مولانا امتیاز الدین نے غسل دیا ۔ شیخ صدر الدین نماز جنازہ کے کھڑے ہوئے ۔ مگر فرط غم سے چیخیں مار کر بے ہوش ہوگئے ۔ آخر قاضی سراج الدین نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ قونیہ میں مولانا کا مزار مبارک آج تک زیارت خواص و عام ہے ۔(۴)

وفات سے کچھ پہلے فرمایا طشت پانی سے بھر کر لاؤ ۔ پانی پیشانی پر ملتے تھے اور یہ شعر پڑھتے تھے

گر مومنی و شریں ہم مومن است مرگ
ور کافری و تلخی ہم کافر است مردن

پھر فرمایا میرے احباب ادھر کھینچتے ہیں اور مولانا شمس الدین ادھر بلا رہے ہیں ۔ اللہ کی طرف بلانے والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ ۔(۵)

مولانا کی شاعری اور افکار پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر رضا زادہ شفق لکھتے ہیں :

---

۱ رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۳۶۲
۲ ایضاً
۳ ایضاً ص ۳۶۳
۴ اعجاز الحق قدوسی اقبال کے محبوب صوفیاء ص ۳ ۶ ۱
بحوالہ سوانح مولانا روم از شبلی نعمانی ص ۳۸ ۔ ۴۱
۵ ایضاً ص ۱۶۳

مولانا جلال الدین کی شاعری رسائی مقصود ' اتقان مطلب ' لطافت معنی ' باریکی خیال عرفانی فکر کی صفائی اور پختگی کی شاعری ہے گویا سنائی نے عرفانی شاعری کا قوام اور اس میں موزونیت تام پیدا کی ۔ شیخ عطار نے اسے لطیف معانی اور شور و شوق کا مظہر بنایا اور مولانا جلال الدین نے اسے اوج کمال پر پہنچایا ۔ اگر کوئی ایرانی شاعروں کے کاروان پر ذرا گہری نظر ڈالے تو وہ بے اختیار کہہ اٹھے گا کہ فردوسی داستانی اور رزمیہ شاعری کا استاد ہے ۔خیام حکیمانہ رباعی کا ماہر ہے ۔ انوری کی شاعری فنی قصیدہ کا مکمل نمونہ ہے ۔ نظامی بزمیہ اور عشقیہ داستان بیان کرنے پر قادر ہیں ۔ سعدی اچھوتی نثر اور دلکش غزل کے مالک ہیں ۔ مولانا جلال الدین عرفانی مثنوی میں بے مثال ہیں اور حافظ عرفانی غزل کے آقا ہیں ۔" (۱)

علامہ اقبال نے اپنے کلام میں اس مرد مومن اور اپنے مرشد کا ذکر نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ کیا ہے ۔ علامہ اقبال سب سے زیادہ رومی سے ہی متاثر ہوئے ۔یہی وجہ ہے کہ تمام شخصیتوں میں علامہ اقبال رومی کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اقبال نے اپنے کلام میں بھی زیادہ انہی کا ذکر کیا ہے ۔ علامہ اقبال اور رومی کی مثنوی کافی پسند تھی ۔ رومی خود اپنی مثنوی معنوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

ہست قرآں در زبان پہلوی
نیست پیغمبر و لے دارد کتاب

علامہ کو مولانا روم کی مثنوی (ہست قرآں در زبان پہلوی) سے قرآن ہی کی وجہ سے شغف تھا ۔ ان کا خیال تھا کہ اگر اس مثنوی کے مطالعے سے قلب میں گرمی شوق پیدا ہو جائے تو اور کیا چاہتے ۔شوق خود مرشد ہے ۔ علامہ کی زندگی میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ انہوں نے کتابوں کا مطالعہ ترک کیا اور اگر وہ کبھی کبھار کچھ پڑھتے تو صرف قرآن شریف یا مولانا کی مثنوی ۔ کلام اقبال میں اس مثنوی کے اثرات نمایاں ہیں ۔ علامہ اور مولانا رومی کے تعلق کے بارے میں فقیر سید وحید الدین لکھتے ہیں :

"........ اگلی صبح عمداً دیر سے پہنچا ۔ کوئی گیارہ بجے کا وقت ہو گا ۔ اقبال کو دیکھا تو

---

۱ ڈاکٹر رضا زادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۳۶۳

توان کی عجیب کیفیت تھی - رنگ زرد، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں - تفکر اور اضطراب کا یہ عالم کہ جیسے کوئی شدید سانحہ گزر گیا ہو - میں نے پوچھا خیر تو ہے؟ کہنے لگے فقیر میرے قریب آ کر بیٹھو تو کہوں - آج صبح میں یہیں بیٹھا تھا - کہ علی بخش نے آ کے اطلاع دی کہ کوئی درویش صورت آدمی ملنا چاہتا ہے - میں نے کہا بلالو - ایک درویش صورت اجنبی میرے سامنے خاموش آ کھڑا ہوا کچھ وقفہ کے بعد میں نے کہا فرمائیے - آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے، اجنبی بولا "ہاں تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے تھے میں تمہارے سوال کا جواب دینے آیا ہوں" اور اس کے بعد مثنوی کا مشہور شعر پڑھا

گفت رومی ہر بنائے کہنہ کاباداں کنند

تو ندانی اول آں بنیاد را ویراں کنند

کچھ پوچھو نہیں کہ مجھ پر کیا گزر گئی - چند لمحوں کے لئے مجھ سے قطعی اپنے گرد و پیش کا احساس جاتا رہا - ذرا حواس ٹھکانے ہوتے تو بزرگ سے مخاطب ہونے کے لئے دوبارہ نظر اٹھائی لیکن وہاں کوئی بھی نہ تھا - علی بخش کو ہر طرف دوڑایا لیکن کہیں سراغ نہیں ملا -" (۱)

اقبال کے اسی قسم کے ایک اور واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے محمود الرحمان لکھتے ہیں - یہ واقعہ علامہ کے ساتھ مسجد قرطبہ میں پیش آیا - جسکا ذکر علامہ یوں کرتے ہیں :

"...... مسجد کے اندر پہنچ کر میں نے اپنی آواز پوری شدت کے ساتھ اذاں دی ___ میں نے مصلیٰ بچھایا اور نماز ادا کرنے لگا دوران نماز مجھ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ میں گریہ و زاری برداشت نہ کر سکا اور جب میں سجدے میں گرا تو بے ہوش ہو گیا - اس دوران میں نے عالم رویا میں دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف لاتے ہیں اور مجھے مخاطب کر کے کہہ رہے ہیں - اقبال ! تم نے میری مثنوی کا بغور مطالعہ نہیں کیا - اسے مسلسل پڑھتے رہو اور میرا پیغام دوسروں تک پہنچاؤ -" (۲)

---

۱ فقیر سید وحید الدین روزگار فقیر جلد اول ص ۲۳

۲ محمود الرحمان اقبال مسجد قرطبہ میں ہما اقبال صدی نمبر ۱۹۷۷ء ص ۳۰۵ - ۳۰۶

اس بے پناہ لگاؤ کی وجہ سے ہی علامہ نے ہر "مجموعہ کلام" میں مولانا روی کا ذکر کافی عقیدت اور محبت کے ساتھ کیا ہے ۔ "بال جبریل" میں پیر و مرید کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے اسمیں علامہ نے دور حاضر کے مسلمانوں کو حایق و معارف سے آگاہ کیا ہے ۔ اس میں مسلمانوں کے تمام مسائل کو پیش کر کے مولانا روم سے ان کا حل دریافت کیا ہے :

مرید ہندی	آہ مکتب کا جواں گرم خوں	ساحر افرنگ کا صید زبوں
پیر رومی	مرغ پر نارستہ چوں پراں شود	طعمہ ہر گربہء دراں شود
مرید ہندی	اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ	سرد کیونکر ہو گیا اس کا لہو
پیر رومی	تا دل صاحبدلے نامد بہ درد	ہیچ قومے راخدا رسوانہ کرد
مرید ہندی	ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز	اہل دل اس دیس میں ہیں تیرہ روز
پیر رومی	کار مرداں روشنی و گرمی است	کار دونان حیلہ و بے شرمی است(۱)

اس نظم کی ابتداء اس شعر سے ہوتی ہے

چشم بینا سے ہے جاری جوئے خوں علم حاضر سے ہے ایں زار و زبوں

اور مولانا رومی اس شعر کا جواب یوں دیتے ہیں :

علم را بر تن زنی مارے بودے علم را بر دل زنی یارے بود (۲)

علامہ اقبال نے قرآن شریف کو اپنا رہنما پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا محبوب اور رومی کو اپنا مرشد بنایا چنانچہ رومی کے پیغام کی اہمیت کو "ضرب کلیم" میں پیش کیا ہے ۔ علامہ نے "رومی" عنوان کے تحت اس نظم میں مثنوی رومی کی اہمیت اور ان کے تصور عشق پر زور دیا ہے ۔یہاں انہوں نے اپنا فلسفہ خودی بھی ظاہر کیا ہے اور قرآن شریف پر عمل کرنے کی تلقین بھی کی ہے ۔ مسلمانوں کو اپنے دلوں میں عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ پیدا کرنے کی ہدایت دی ہے ۔ مذکورہ نظم یوں ہے :

غلط نگر ہے تیری چشم نیم باز اب تک
تیرا وجود ہے تیرے واسطے راز اب تک

---

۱ محمد اقبال کلیات اقبال اردو (بال جبریل) ص ۴۲۷ ، ۴۳۰ ، ۴۳۲

۲ ایضاً ص ۴۲۶

تیرا تاز نہیں آشنائے راز اب تک
کہ ہے قیام سے خالی تیری نماز اب تک
گستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تو ہے نغمہء رومی سے بے نیاز اب تک (۱)

علامہ کے تمام تصانیف میں رومی کے تئیں زیادہ عقیدت اور احترام "جاوید نامہ" میں ملتا ہے۔ یہاں رومی کا ذکر زیادہ موثر انداز میں ملتا ہے :

"جاوید نامہ" بعضوں کے نزدیک اقبال کی بہترین تصنیف ہے تمام تر رومی کے رنگ و بو سے آراستہ ہے۔ اس میں شاعر رومی کی معیت میں عالم بالا کی سیر کرتا ہے ارواح سے ہمکلام ہوتا ہے گویا رومی ہی کی اعانت سے کائنات کے مضمون کو سمجھتا ہے۔" (۲)

علامہ نے "جاوید نامہ" میں اپنی تمام تر سیر مرشد رومی کے ساتھ کی ہے اور مرشد رومی کی رہنمائی ہر مرحلہ پر اقبال کو حاصل ہوتی ہے۔ یہاں صرف بارگاہ ایزدی میں علامہ اکیلے اور تنہا حاضر ہوتے ہیں۔ باقی اول تا آخر رومی ہی کی معیت میں سارا سفر طے کرتے ہیں۔ علامہ نے اپنی اس تمثیلی نظم میں مختلف کرداروں کے ذریعے مختلف مسائل کا حل تلاش کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف حالات و واقعات کا اظہار بھی یہاں ملتا ہے اس لازوال تصنیف میں علامہ نے شاعری میں فلسفہ کو ایک ساتھ پیش کیا ہے اور اس طرح اعلیٰ فنکاری کی عکاسی کی ہے۔

اس کتاب میں علامہ نے ایسے حقائق اور معارف بیان کئے ہیں جن کا تعلق عالم بالا یا جہاں دیگر سے ہے (۳)

آنچہ گفتم از جہاں دیگر است
ایں کتاب از آسمان دیگر است (۴)

---

۱ محمد اقبال کلیات اقبال اردو حصہ (ضرب کلیم) ص ۵۸۳
۲ میاں بشیر احمد مولانا روم اور اقبال مشمولہ اوصاف اقبال مرتبہ بہار اللہ آبادی، ص ۵۰
۳ یوسف سلیم چشتی شرح جاوید نامہ اول ص ۱۱
۴ علامہ اقبال کلیات اقبال فارسی حصہ (جاوید نامہ) ص ۷

خاتمہ پر علامہ نے "خطاب بہ جاوید" میں اقبال شاگردی کا حق ادا کر دیا ہے جہاں انہوں نے جاوید کے پردہ میں مسلمان نوجوانوں کو مرشد رومی کی اتباع کرنے کا مشورہ دیا ہے۔

"جاوید نامہ" کے آخری حصے "خطاب بہ جاوید" میں علامہ نے پیر رومی کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ پیر رومی کی مثنوی کا مقصد لوگوں نے سمجھا نہیں ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں :

گر نیابی صحبت مرد خبیر   از اب وجد آنچہ من دارم بگیرا
پیر رومی را رفیق راہ ساز   تا خدا بخشد تر سوز و گداز
زانکہ رومی مغز را داند زپوست   پاے او محکم قند در کوے دوست
شرح او کردند اورا کس ندید   معنی او چوں غزال از مار مید
رقص تن از حرف او آموختند   چشم را از رقص جاں بر دوختند
رقص تن در گردش آرد خاک را   رقص جان برہم زند افلاک را (۱)

علامہ اور رومی کا ذکر کرتے ہوئے سید عبداللہ لکھتے ہیں :

"مطالعہ رومی کی مثنوی کے سلسلے یں اقبال کا نصب العین یہی رقص جاں ہے جس سے علم و حکمت تک رسائی ہو گی اقبال کے نزدیک قرآن کے بعد جو کتاب اس عظیم مقصد کو پورا کر سکتی ہے وہ مثنوی رومی ہے۔" (۲)

ایک اور جگہ رومی اور اقبال کا ذکر کرتے ہوئے سید عبداللہ لکھتے ہیں :

"اگر رومی نے اقبال کے فکر کو چار چاند لگائے ہیں تو اقبال نے بھی رومی کے افکار عالیہ کو بڑی عزت و شان سے دنیا میں متعارف کرایا۔" (۳)

"جاوید نامہ" کے علاوہ علامہ نے "پیام مشرق" میں بھی مولانا رومی کا ذکر کرتے ہوئے رومی کے عشق کو بو علی سینا کے فلسفہ پر ترجیح دی ہے۔

---

۱   علامہ اقبال   کلیات اقبال فارسی حصہ   جاوید نامہ   ص ۱۹۱

۲   ڈاکٹر سید عبداللہ   مطالعہ رومی کی تاریخ میں اقبال کا مقام مشمولہ اوصاف اقبال مرتب ۔بہار الہ آبادی، ص ۲۴۲

۳   ایضاً   ص ۲۲۱

بو علی اندر غبار ناقہ گم　　دست رومی پردۂ محمل گرفت
این فروتر رفت تا گوہر رسید　　آن بگرداے چو خس منزل گرفت
حق اگر سوزے ندارد حکمت است
شعر می گردد چو سوز از دل گرفت (۱)

"بال جبریل" میں رومی کا ذکر یوں کیا ہے :

صحبت پیر رومی سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک حکیم سر بکف (۲)

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گل ایران وہی تبریز ہے ساقی (۳)

عجم کے لالہ زاروں سے پھر کوئی رومی اٹھا ہو یا نہ اٹھا ہو لیکن تیرہ خاکدان ہند سے ضرور ایک اور رومی نمودار ہوا جس نے چھ سو سال بعد پیر رومی کے مرید ہندی کے بطور بعینہ ویسا ہی کردار ادا کیا اور اسلام کو پھر یونانی اور اجنبی عناصر سے نجات دلا کر اس کے حقیقی رنگ میں پیش کیا۔۔۔۔۔"(۴)

بال جبریل میں ہی ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی (۵)

ضرب کلیم میں لکھتے ہیں :

۱　علامہ اقبال　کلیات اقبال فارسی حصہ　پیام مشرق　ص ۷۷
۲　علامہ اقبال　کلیات اقبال (اردو)　بال جبرئیل ص ۲۳۱
۳　ایضاً　ص ۳۰۲
۴　رفیق خاور مرشد روم　مشمولہ اوصاف اقبال ـــ مرتبہ بہار الہ آبادی ص ۱۰۷
۵　علامہ اقبال کلیات اقبال حصہ　بال جبرئیل ص ۳۰۹

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی
کچھ ہاتھ نہیں آتا ہے آہ سحر گاہی (۱)

اسرار خودی میں مولانا کا ذکر یوں ملتا ہے :

باز بر خوانم رفیق پیر روم — دفتر سر بستہ اسرار علوم
پیر رومی خاک را اکسیر کرد — از غبارم جلوہ تعمیر کرد (۲)

مثنوی مسافر میں لکھتے ہیں :

ز آتش مردان حق می سوزمت — نکتۂ از پیر روم آموزمت (۳)

پس چہ باید کرد میں لکھتے ہیں :

پیر رومی مرشد روشن ضمیر — کاروان عشق مستی را امیر
از نئے آں نے نواز پاک زاد — باز شورے در نہاد من فتاد (

اسی طرح مندرجہ ذیل اشعار میں رومی کا ذکر بڑے خلوص اور عقیدے سے ملتا ہے :

چوں رومی در حرم دارم اذان من — از و آموختم اسرار جان
بدور فتنۂ عصر کہن او — بدور فتنۂ عصر روان من (۵)
بکام خود گر آں کہنہ مے ریز — کہ باجامش نیرزد ملک پرویز
ز اشعار جلال الدین رومی — بدیوار حریم دل بیاویز (۶)
ز رومی گیر اسرار فقیری — کہ آں فقر است محسود امیری
حذر زاں فقر و درویشی کہ از وے — رسیدی بر مقام سر بریزی (۷)
زچشم مست رومی وام کردم — سرورے از مقام کبریائی (۸)

مقام ذکر کمالات رومی و عطار
مقام فکر مقالات بو علی سینا (۹)

---

۱ محمد اقبال کلیات اقبال اردو حصہ ضرب کلیم، ص ۴۸۵ (۲) کلیات اقبال فارسی حصہ (اسرار خودی) ص ۸
۳ ایضاً ص ۸ (۴) ایضاً پس چہ باید کرد ـــــ ص ۳۲
۵ کلیات اقبال حصہ فارسی ارمغان حجاز ـــــ ص ۴۴ (۶) ایضاً ـــ ص ۶۱
۷ـــ۸ ایضاً ارمغان حجاز ـــ ص ۶۲ (۹) کلیات اقبال اردو حصہ ضرب کلیم ـــ ص ۴۸۵

علامہ اقبال اور مرزا عبدالقادر بیدل

مرزا عبدالقادر بیدل عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے ۔ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے شاعر گزرے ہیں ۔ مشکل پسندی ، مضمون آفرینی اور رفعت تخیل کے لحاظ سے غالب اور عرفی کے علاوہ اور کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں ہے چنانچہ غالب نے اس شعر میں ان کی عظمت کا اعتراف کیا ہے ۔

طرز بیدل میں ریختہ کہنا
اسد اللہ خان قیامت ہے

---- ساری عمر کسی امیر کے مکان پر نہیں گئے اس شان استغنا کا نتیجہ یہ نکلا کہ نظام الملک بھی ملنے کے لئے مکان پر آتا تھا اور جب اس نے دکن میں اپنی حکومت قائم کی تو انہیں بلوایا لیکن انہوں نے خط کے جواب میں یہ شعر لکھ کر بھیجدیا ۔

دنیا اگر دہند نہ خیزم ز جائے خویش
من بستہ ام حنائے قناعت بپائے خویش

مرزا بیدل ہندوستان کا آخری بڑا فارسی گو شاعر ہے جس نے ایک لاکھ سے زیادہ اشعار کہے ہیں بے شبہ بیدل نے غزل میں عرفانی شعر کہے ہیں ۔ نہایت درجہ استادانہ مثنویاں لکھی ہیں ۔ اور اس کا کلام ہندی سبک کا بہترین نمونہ ہے ۔ بیدل کے کلیات میں غزلیں اور منظوم پند و حکم کے سوا نثر میں "نکات" کے نام سے ایک رسالہ بھی ملتا ہے ۔ بیدل نے ۱۱۳۳ھ میں بمقام دہلی وفات پائی ۔ (۱)

خودداری کا یہ عالم تھا کہ مرتے وقت دوستوں کو وصیت کی جب میرے مکان میں صحن موجود ہے تو مجھے کسی قبرستان میں دفن نہ کرنا ۔ غیر کا احسان کیوں اٹھاؤں ۔ (۲)

---

۱ یوسف سلیم چشتی بانگ درا (شرح) ص ۶۵۲

۲ رضازادہ شفق تاریخ ادبیات ایران ص ۴۷۱

مرزا عبدالقادر بیدل جیسی عظیم المرتبت شاعر کا ذکر بھی کلام اقبال میں نہایت ہی عقیدت اور احترام کے ساتھ ملتا ہے۔ دونون شعراء کے درمیان کئی مماثلتی پہلو بھی ملتے ہیں۔اس کے علاوہ علامہ اقبال نے بیدل کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔رومی کے علاوہ اس شخصیت کو علامہ نے اس قابل سمجھا کہ اپنی شاعری میں نہایت ہی عظمت کے ساتھ ان کو پیش کر دیا علامہ نے مرزا بیدل کو "مرشد کامل" قرار دیا ہے۔(۱)

جس نظم میں علامہ نے بیدل کو "مرشد کامل" قرار دیا ہے وہ مندرجہ ذیل نظم ہے۔یہ نظم چھ اشعار پر مشتمل ہے اور "مذہب" عنوان سے بانگ درا میں شامل ہے۔

تضمین مذہب بر شعر مرزا بیدل

تعلیم پیر فلسفہ مغربی ہے یہ — ناداں ہے جس کو ہستی غائب کی ہے تلاش
پیکر اگر نظر سے نہ ہو آشنا تو کیا — ہے شیخ بھی مثال برہمن تراش!
محسوس پر بنا ہے علوم جدید کی — اس دور میں ہے شیشہ عقائد کا پاش پاش
مذہب ہے جس کا نام وہ ایک جنون خام — ہے جس سے آدمی کے تخیل کو انتعاش
کہتا ہے مگر فلسفہ زندگی کچھ اور — مجھ پر کیا "مرشد کامل" نے راز فاش

"باہر کمال اند کے آشفتگی خوش است
ہر چند عقل کل شدہء بے جنون مباش" (بانگ درا، ص ۲۴۸)

اقبال نے مذکورہ بالا تضمین میں اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ اگر چہ مذہب کے لئے عقل ضروری ہے مگر اس کی بنیاد خدا تعالیٰ کی محبت پر ہے مگر جب تک مسلمان میں جنون کا رنگ نہ ہو اس وقت وہ حقیقی معنوں میں مسلمان نہیں بن سکتا۔ ڈاکٹر عبدالمغنی اس بارے میں لکھتے ہیں :

"بیدل کو وہ "مرشد کامل" کے خطاب سے یاد کرتے ہیں ----- اس کا مطلب یہ ہے کہ بیدل کا خاص احترام ان کے دل میں موجود تھا۔"(۲)

---

۱ یوسف سلیم چشتی شرح (بانگ درا) ص ۶۵۲

۲ عبدالمغنی ــــ بیدل اور اقبال (ایک سرسری مطالعہ) مجلہ اقبال جلد ۲۳ شمارہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۲ء

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :

"یہ قطعہ بھی فلسفیانہ ہے علامہ اقبال فلاسفہ مغرب کے افکار کا تقابلی مطالعہ کرتے ہوئے فلسفہ زندگی اپنے مرشد کامل بیدل عظیم آبادی سے سیکھتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان چاہے جس قدر کمال خرد حاصل کرے مگر وہ جنوں کے بغیر بیکار ہے اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ "اسرار خودی" کی تصنیف کے وقت حضرت علامہ بیدل کا مطالعہ ایک مفکر شاعر کی حیثیت سے کر رہے تھے۔ اظہار و ابلاغ کی خوبیوں کو اپنانے کے بعد اگلا قدم بیدل کے افکار سے استفاضہ تھا جو اس قطعے سے ظاہر ہے اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ علامہ کے نظریات کی تشکیل میں بیدل کا قابل قدر حصہ ہے۔ علامہ انہیں "مرشد کامل" یوں ہی نہیں کہتے ہیں۔"(۱)

علامہ اقبال اس سے پہلے بھی بیدل عظیم آبادی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ نظم "تصویر درد" میں علامہ نے بیدل کا ایک شعر درج کیا ہے جس سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ علامہ کو بیدل سے ابتداء ہی سے لگاؤ تھا۔ اس نظم کا آخری شعر بیدل کا ہے۔

درس حسرت سراعمر یست افسوں جرس دارم
زفیض دل طپیدن ھا فروش بے نفس دارم (۲)

بیدل کی اس غزل کا دوسرا شعر یوں ہے :

درین گلشن نوائے بود دام عندلیب من
زبس نازک دلم از بوئے گل چوب قفس دارم

اس شعر کو علامہ نے یوں پیش کیا ہے :

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری (۳)

اقبال بیدل کے فکر و اسلوب سے پہلے ہی سے متاثر نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں :

"صرف مرزا غالب کی حسین و جمیل، فکر انگیز اور اثر پرور تراکیب ہی بیدل کی

---

۱ عبدالمغنی ـــ بیدل اور اقبال ـــ مشمولہ اقبال اور مشاہیر، طاہر تونسوی، ص ۱۱۹-۱۱۸

۲ محمد اقبال بانگ درا (نظم تصویر درد)

۳ ایضاً

تراکیب کا واضح پر تو اپنے اندر نہیں رکھتیں بلکہ علامہ اقبال کے حسن کلام کا خمیر بھی کافی حد تک بیدل کے دلآویز انداز ابلاغ سے تیار ہوا ہے۔اس نقطہ نگاہ سے اگر تمام" تصویر درد" کا مطالعہ کیا جائے تو بڑا سود مند ثابت ہوگا۔معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۴ء میں اقبال بیدل کے اظہار و ابلاغ کے پیرائیوں سے خاصے مسحور تھے۔" (۱)

"علامہ نے بیدل کی طرف ابتداء سے ہی اپنی توجہ معطوف رکھی اور چند فارسی غزلوں میں بیدل کے ظاہری سبک کا تتبع کیا۔"(۲)

علامہ نے "ضرب کلیم" مرزا بیدل کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے۔اس میں بیدل کے ایک شعر کو تضمین کیا گیا ہے۔اس نظم میں بیدل کی زبانی کائنات کی حقیقت بیان کی ہے۔

ہے حقیقت یا مری چشم غلط بین کا فساد
یہ زمین یہ دشت یہ کہسار یہ چرخ کبود
کوئی کہتا ہے نہیں ہے کوئی کہتا ہے کہ ہے
کیا خبر ہے یا نہیں ہے تیری دنیا کا وجود
میرزا بیدل نے کس خوبی سے کھولی یہ گرہ
اہل حکمت پر بہت مشکل رہی جس کی کشود
"دل اگر می داشت وسعت بے نشاں بود ایں چمن
رنگ می بیروں نشست از بسکہ مینا تنگ بود (۳)

بیدل نے اس کائنات کی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے کہ کائنات (تجلیات انوار الٰہی) کا مظہر ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی حقیقت نہیں۔مومن کا قلب تجلیات کا محیط ہے اگر اس میں وسعت ہوتی تو ساری تجلیات کو اپنے اندر جذب کر لیتا لیکن اس وسعت کی کمی ہی تھی جسکی وجہ سے کائنات وجود میں آئی اور اس کائنات کا وجود حقیقی نہیں بلکہ خدا کی تجلیات کا پر تو ہے

---

۱ عبدالمغنی بیدل اور اقبال، مشمولہ اقبال اور مشاہیر طاہر تونسوی، ص ۱۱۷

۲ ڈاکٹر محمد ریاض مرزا عبدالقادر بیدل مطالعہ اقبال کی روشنی میں ــــ اقبال ریویو جنوری ۷۲ ــــ ص ۷۱

۳ کلیات اقبال ضرب کلیم اعتقاد پبلیشنگ ہاؤس دہلی ۱۹۸۱ء ص ۱۲۲

مذکورہ نظم پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر عبدالمغنی لکھتے ہیں :
"یہ شعر نظری فلسفے کے ایک اہم موضوع سے تعلق رکھتا ہے فلاسفہ میں یہ بات شروع سے چلی آرہی ہے کہ کائنات کی اصل Matter ہے یا Mind ۔علامہ فرماتے ہیں کہ جس گتھی کو ہیگل جیسے فلسفی سلجھا نہ سکے اسے بیدل کس عمدگی کے ساتھ کھول دیتے ہیں ۔ بیدل کہتے ہیں کہ اصل حقیقت Mind یعنی قلب ہے اور جو مادی اشیاء نظر آتی ہیں انہیں اس شراب کا رنگ کہنا چاہیئے جو مینا یعنی قلب کے اندر ہے ۔" ضرب کلیم " کی اس تضمین سے پتہ چلتا ہے کہ فلسفہ زندگی کے علاوہ علامہ مرحوم بیدل کے نظری فلسفے کے بھی مداح تھے ۔"(۱)

علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں بھی بیدل کا ذکر کیا ہے وہ انہیں عبدالقادر عظیم آبادی کے نام سے یاد کرتے ہیں ۔اس کے علاوہ علامہ کے ملفوضات میں بھی بیدل کے فلسفہ زندگی کا ذکر آیا ہے جس بات کا اشارہ یوں ملتا ہے ۔

" علامہ کے ملفوضات میں بھی بیدل کے فلسفہ زندگی کا ذکر آیا ہے جس کی طرف اشارہ عبداللہ بیگ انور نے بھی اپنی تصنیف "شاعر مشرق" "Poet of East" میں کیا ہے ۔ اپنے ایک ملفوظ میں غالب کے مقابلے میں بیدل کے فلسفے کو علامہ مرحوم نے حرکی کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ اپنے اسی نوعیت کے فلسفہء حیات کی وجہ سے ناصر علی سرہندی کی طرف بیدل افغانستان اور وسط ایشاء میں مقبول ہوئے ۔"(۲)

علامہ اقبال نے اس کے علاوہ " کلیات بیدل " کا ذکر اپنی وصیت میں کیا ہے جسکا ثبوت "روزگار فقیر" کے مطالعہ سے فراہم ہوتا ہے ۔ یہ واحد کلیات ہے جسکا ذکر علامہ نے کیا تھا اس بات سے علامہ کی عقیدت اور احترام کا ذکر ملتا ہے جو وہ بیدل کے تئیں رکھتے تھے ۔ اس کے علاوہ بھی ایک جگہ عقیدت اور محبت کی ذکر کا اظہار یوں ملتا ہے ۔

"حضرت علامہ نے اس دنیا سے ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو رحلت فرمائی اس سے پہلے ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو جب ان کی زندگی میں انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ نے یوم اقبال منایا تو طلبہ

---

۱ عبدالمغنی اقبال اور بیدل مشمولہ اقبال اور مشاہیر ـــ طاہر تونسوی ،ص ۱۱۹

۲ عبدالمغنی اقبال اور بیدل مشمولہ مشاہیر اقبال ـــ طاہر تونسوی ـــ ص ۱۱۹

آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اس موقعہ پر علامہ نے فرمایا "یوم اقبال منانے کی کیا ضرورت تھی منانا تھا تو یوم بیدل منایا ہوتا۔"(۱)

افکار پریشان میں علامہ نے بیدل کا ایک شعر درج کیا ہے یہ نوٹ بک Stray Reflections کے نام سے طبع ہو چکی ہے اس شعر میں "حیرت" جو بقول افلاطون تمام علوم کی ماں ہے کے بارے میں بیدل یوں فرماتے ہیں :

نزاکت ہاست در آغوش مینا خانہء حیرت
مژہ برہم مزن تا نشکنی تماشا را (۲)

غرض علامہ اقبال نے بیدل کا ذکر ابتداء سے آخر تک کیا ہے جس سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ علامہ کو بیدل سے کس قدر لگاؤ تھا۔

علامہ اقبال اور مرزا عبدالقادر بیدل کے درمیان مماثلت کے کئی پہلو ملتے ہیں۔ علامہ اور بیدل کے درمیان عشق کے علاوہ سوز و ساز مشترکہ موضوعات میں شامل ہیں۔ دونوں کے یہاں کلی یا جزوی اشتراک ملتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض لکھتے ہیں :

"اقبال کی بعض پسندیدہ تراکیب بیدل کے یہاں موجود ہیں۔ مثلاً الطاف عمیم ذوق نمود، لطاف خرام تو ادراک، ذوق تبسم، برق تجلی، قافلہ رنگ و بو از خورشید بانگ درا، خون جگر اور عشق وغیرہ وغیرہ۔" (۳)

اس کے علاوہ فکری پہلو کا اظہار بھی ملتا ہے :

بیدل — باز آمدن مہدی و عیسی اینجا
از تجربہ مزاج ادیان دور است

علامہ — مینار دل پر اپنے خدا کا نزول دیکھ
اور انتظار مہدی و عیسیٰ بھی چھوڑ دے

دونوں شاعروں نے مسلمانوں کے فکری اثاثے سے کام لے کر اپنے زمانے کے افکار کا جائزہ

---

۱ عبدالمغنی اقبال اور بیدل مشمولہ مشاہیر اقبال — طاہر تونسوی — ص ۱۱۹

۲ ایضاً ص ۱۲۱

۳ ڈاکٹر ریاض، مرزا عبدالقادر بیدل مطالعہ اقبال کی روشنی میں، اقبال ریویو، جنوری ۷۲، ص ۱۷

سے کر عجمی اثرات کو دور کر کے خفتہ مذہب اور دین کی تعلیمات کو اجاگر کیا(۱) دونوں شعراء کو قدرت نے بلند فکر عطا کی تھی جسکی وجہ سے ان کو ایک ایسا شعور حاصل تھا کہ دونوں نے اسلامی روایات کو اپنے اپنے انداز سے آگے بڑھایا۔ اور یہی وجہ ہے کہ علامہ نے بیدل ہی کا انتخاب کر کے ان کی بلندی اور عظمت کو سراہا۔ اور حقیقت میں وہ اسی بلندی اور حقیقت کے مستحق تھے۔

"بیدل بے مقصد خیال آرائی نہیں کرتے بلکہ عجمی افکار کے مقابلے میں اسلام کی صالح اور حیات افروز تعلیمات بیان کرتے ہیں اور یہی چیز علامہ اقبال کی بیدل سے وابستگی کا موجب تھی۔"(۲)

ان باتوں کے علاوہ علامہ اقبال اور بیدل میں فکری ہم آہنگی ملتی ہے اور دونوں کے فلسفہ میں مماثلت نظر آتی ہے۔ دونوں کا تخیل بلند ہے۔ بیدل کا تخیل نہ صرف بلند ہے بلکہ بے باک بھی ہے۔

ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں :

"ان کے تخیل کی بلند پروازی محض واہمہ نہیں ہے اس میں مغز ہے وزن اور وقار ہے گرانمایگی ہے حکمت اور فلسفہ کی گیرائی اور گہرائی ہے۔ وہ شاعر سے زیادہ حکیم ہے اور اس لئے کبھی کبھی شاعرانہ زبان اور اسلوب کا جامہ ان کے خیالات پر تنگ ہو جاتا ہے اور یہی حال ان کے فرزند معنوی مرزا اسد اللہ خان غالب کا ہے علامہ بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ انہوں نے مرزا غالب کے تخیل کی بلندی کے بارے میں جو لکھا ہے وہ بڑی حد تک مرزا بیدل پر صادق آتا ہے۔ رفت پسندی بیدل کے اس رنگ طبیعت کی ذمہ دار ہے۔"(۳)

اکبر الہ آبادی مرزا سلطان احمد کو ایک خط میں دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں :

---

۱ عبدالغنی اقبال اور بیدل مشمولہ اقبال اور مشاہیر ــــ طاہر تونسوی ص ۱۲۴

۲ ایضاً ص ۱۱۶

۳ ابواللیث صدیقی اقبال اور بیدل مشمولہ اوصاف اقبال مرتبہ بہار الہ آبادی، ص ۲۲۵

"اقبال کا حسن بیان دیکھے۔ اسے دیکھ کر بیدل بھی مسحور ہو جاتے ہیں۔" (۱)
غرض بانگ درا سے آخری وصیت تک علامہ نے بیدل کا ذکر کر کے ان کے تئیں اپنی عقیدت کا اظہار کیا ہے

---

۱ مکاتیب اکبر بنام مرزا سلطان احمد ص ۴۷۔۴۸